زود پشیماں

اُردو میں اپنے طرز و انداز کا سب سے پہلا اور دلچسپ ڈراما

از

ناظرؔ

جس کی ابتدا میں

مولانا عبدالحلیم شررؔ، پروفیسر مرزا محمد ہادی (مرزا رسوا) مولانا سید سلیمان ندوی و مسٹر سید سجاد حیدر

کی دلچسپ تقریظات بھی شامل ہیں

باہتمام اسحاق علی عَلوی مالکِ مطبع

النّاظر پریس واقع لکھنؤ میں چھپا

اردوم سنہ ۱۹۲۸ء (جملہ حقوق محفوظ) قیمت [illegible]

تقریظات

(۱) مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شرر

یہ اُردو میں ایک نیا ڈرامہ ہے، جو ایک فلسفیانہ دماغ والے فاضل دکنی نوجوان کے قلم سے مکمل ہو کر اس پایہ کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ جس کا بہت ہی محدود حصہ اس مذاق سے آشنا ہے۔

مصنف یعنی جناب "ناظر" کا مذاق بہت گہرا عالمانہ ہے۔ ان کا دماغ ڈیپ لٹریچر میں نظریات دقیق کا عادی ہے، اور ہر مسئلہ پر استدلالی عنوان سے غور کرتا ہے۔ مگر وہ اسے اس تصنیف میں اپنے عالم اسباب سے زبردستی کھینچ کے حسن و عشق کی دنیا میں لائے ہیں جس میں علت و سبب پر غور کرنا جرم ہے۔ اسی وجہ سے جذبات کا اظہار کرتے وقت وہ اپنے اصلی عالم فلسفہ میں واپس چلے گئے ہیں مگر خوشی کی بات ہے کہ اس سے کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہونے کے بجائے ڈراما کا لائٹ لٹریچر ایک لطف کے ساتھ گرانبار اور دقیق ہو گیا ہے۔ اسی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ بجائے کامیڈی کے حضرت ناظر نے اس ڈراما کا خاتمہ ٹریجڈی پر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک اثر پذیر دل حسرت و اندوہ کے واقعات کو زیادہ پسند کرتا ہے اور بارونق عالیشان قصر و ایوان کو چھوڑ کر منہدم کھنڈروں اور عبرتناک

دیہاتوں کی سیر کرتا ہے مگر دنیا کا عام مذاق دل لگی کی باتوں اور کامیابی و شادمانی کے افسانوں کی طرف جس ذوق و شوق سے متوجہ ہوتا ہے، غم کی داستانوں میں نہیں مصروف ہو سکتا۔

ہندوستان ہی نہیں، انگلستان میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ پبلک کا رجحان ٹریجیڈی کی طرف نہیں۔ اگرچہ انگلستان وغیرہ ممالک میں ٹریجڈی کے پسند کرنے والوں کی تعداد بھی اتنی کافی موجود ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی ڈراما کسی تھیٹر میں دکھایا جاتا ہے، تو اس میں ناکامی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہندوستان میں بحیثیت ڈراما کی اشاعت کے اور بحیثیت اسکے دکھائے جانے کے ہمیں کامیابی کی بہت کم امید ہے۔

اسکا پلاٹ رومیو جولیٹ کو پیش نظر رکھ کر بنایا گیا ہے، اگرچہ اس سے بالکل جدا ہے .....

یہ واقعات اس ڈراما میں تین ایکٹوں میں تقسیم کیے گئے ہیں جن میں سے پہلے دو میں چار چار سین ہیں، اور تیسرے ایکٹ میں پانچ سین۔ گفتگو میں اگرچہ مردوں اور عورتوں کی زبان ایسی خوبصورت نہیں رہی، جیسی کہ ایک اچھے ڈراما میں ہونی چاہیے، تاہم جن مقامات پر مصنف نے کسی قسم کے جذباتِ دلی کو ظاہر کرنا چاہا ہے، وہاں ثابت کر دیا ہے کہ اسکے قلم میں اعلیٰ درجے کا زور ہے اور پوری قابلیت سے کام لیا گیا ہے۔

بہر حال ڈراما کی دنیا میں مصنف صاحب کا یہ نقشِ اولیں بہت کچھ کامیاب رہا ہے، امید ہے کہ اُنکی آئندہ تصانیف بہت زیادہ کامیاب ہونگی۔

(۲) مولانا سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین

بذاتہٖ دنیا میں کوئی شے خیرِ محض یا شرِ محض نہیں، اسکا موقع استعمال خیر یا شر ہوتا ہے۔ شاعری کے سوا فنونِ لطیفہ کے تمام اقسام آجکل خلافِ وقار و متانت سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُس عہد میں جبکہ قوم کے تمام قویٰ مشتغل تھے ان میں سے کوئی چیز عیب گیری کی مستحق نہ تھی۔ امام مالکؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا تقدس اور اُنکا تقویٰ کسکو نہیں معلوم، تاہم وہ غنا کے ماہرین میں تھے۔

ڈراما نویسی یا افسانہ نگاری آج فنونِ ادبیہ کی پست ترین سطح ہے، لیکن ہمدانی، حریری، زمخشری اور سیوطی، جنکا شمار اکابر علما میں ہے، اُنکے مقامات افسانہ نگاری کے کامل نمونہ ہیں۔

اصل یہ ہے کہ فن کا مرتبہ اُس جماعت سے کیا جا رہا ہے جسکے ہاتھ میں اسوقت وہ فن ہے۔ حالانکہ خود جماعت کا رتبہ فن کی حیثیت سے ہونا چاہیے تھا۔ موسیقی سے بڑھکر شریف فن اور کون ہوسکتا ہے، لیکن اب امیر خسرو سے ہمارے حیدرآباد کے قوالوں کو کیا نسبت ہے؟

ڈراما کا مقصد یہ ہے، کہ ہیئتِ اجتماعی کی اصلاح شخصی واقعات اور روز مرہ کے حوادث سے کی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ کلکتہ اور بمبئی کی تماشہ گاہوں میں اس شریف و بلند مقصد کی جس ناپاک اور گندہ طرزِ تحریر کے ذریعے سے پامالی کی گئی ہے وہ حد درجہ تاسف انگیز ہے۔ اس سے زیادہ تاسف انگیز یہ تھا کہ یہ راہ اس درجہ بدنام اور اسپر حلیا اس درجہ خلافِ متانت تھا کہ مشاہیر اہلِ قلم اپنی عزت اور نام کے تحفظ کی بنا پر اس راہ میں ایک قدم بھی اٹھا نہیں سکتے تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ ہماری جماعت کے ایک ممبر نے نہایت جرأت اور بہادری سے اس راستہ پر قدم رکھا ہے۔ تاہم آدمی پہلے پہل رسم کے خلاف کسی اچھی سی اچھی بات کو کرتے ہوئے بھی جھجکتا اور شرماتا ہے، وہ بھی جھجکتے اور شرماتے ہیں۔ لیکن تم پہچاننے کی کوشش کرنے کے بجائے یہ دیکھو کہ اس لغزش گاہِ عالم میں کس طرح ایک ایک قدم سنبھال کر انھوں نے رکھا ہے۔ شخصی اخلاق نگاری کی اُردو میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے اور وہ جس درجہ بھی کامیاب ہو، مستحقِ ستائش ہے۔

قدیم مشرقی تہذیب تمدن کے بجائے ہم میں جن لوگوں نے مغربی اندازِ زندگی اختیار کیا ہے، درحقیقت انھوں نے لفظ بدل دیے ورنہ معنی وہی ہیں، لفافہ بدل گیا ہے نامۂ مطلوب وہی ہے، صرف لباس و سامانِ ظاہری کی نمائش ہے۔ اصل عادات و اخلاق جن سے شخصیت عبارت ہے، اب تک اپنے اصلی رنگ میں ہے۔ ہم نے ابھی کرنا نہیں سیکھا ہے صرف کہنا سیکھا ہے۔ ان اوراق میں تم کو ابھی، اسی کی تصویر

نظر آئے گی

(۳۰) پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے مصنف اُمراؤ جان وغیرہ (المعروف بہ مرزا رسوا)

مسٹر ناظر کا نو تصنیف ڈراما "زود پشیمان" میں نے سرے سے آخر تک دیکھا واقعی بہت خوب لکھا ہے۔ ملک کو اسی قسم کی تصنیفات کی ضرورت ہے جو کہ معاشرتی مسئلوں کو کنکریٹ Concrete واقعات اور جزئی مثالوں سے پیش نظر کرتے ہیں یا تو یہ طے کر دیا جائے کہ عورتوں کو بالکل تعلیم نہ دی جائے، یا اگر تعلیم دیجائے تو پھر اُسکے نتائج کے موافق اُنسے سلوک ہونا چاہیے۔ ازدواج کا نہ طریقہ جو رائج الوقت ہے تعلیمیافتہ مرد اور عورتوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ میں نے کبھی اس مضمون پر اکثر محکم میں خامہ فرسائی کی تھی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ مرد اور عورت میں قبل نکاح کوئی طریقہ باہمی تعارف کا ایسا ہونا چاہیے جس سے ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں یورپین اہل خاندانوں میں بعد اجازتِ ولی دختر کسی شخص کو جو نکاح کا امیدوار ہو باہمی تعارف کا موقع مل سکتا ہے۔ ہماری شرع شریف اجنبی مرد اور عورت میں ملنے کا کوئی طریقہ نہیں پیدا کر سکتی۔ اِلّا ایک طریقہ ہے اگر مصنف صاحب بُرا نہ مانیں تو عرض کر دوں۔ وہ یہ ہے کہ ایسے مرد اور عورت میں جو ایک دوسرے کی آزمائش چاہتے ہوں بلا شرط ہمبستری متعہ کر دینا چاہیے۔ اس صورت میں مرد و عورت بلا شرعی مزاحمت کے مل سکیں گے اور بعد چند روز یا تو نکاح دائمی ہو جائیگا اور یا قطع تعلق۔ میں پھر کہتا ہوں کہ آپکی تصنیف

کو کوئی دخل نہیں ہے، بالکل نیک نیتی سے یہ لائے دکھئی ہے۔ اگر کوئی طریقہ شرعی نکاح کا ممکن ہے تو وہ یہی ہے۔ اور اگر شرع کو بالائے طاق رکھدیا جائے تو پھر یوروپین طریقہ کے موافق اجازتِ ولیِ جائز سے اجازت میل جول کی دینا چاہیے۔

لکھائی چھپائی اوسط درجے کی ہے۔ زبان ڈراما کی ایسی ہی ہے جیسی فی زمانا تعلیم یافتہ لوگوں کی بول چال کی ہوتی ہے۔ البتہ لائق مصنف نے اختصار زیادہ کیا ہے جس سے ڈویلپمنٹ Development یا انکشاف تام نہیں ہوا۔ میرے نزدیک چند سین یا ایک پورا ایکٹ اور ہونا چاہیے تھا۔

(۴) مسٹر سید سجاد حیدر، بی اے

یہ بحث دب دب کے اکثر انگلستان کے علمی جرائد میں ابھرتی رہتی ہے کہ وہ حیرت انگیز ڈرامے جنکا مصنف شیکسپیر سمجھا جاتا ہے اصل میں لارڈ بیکن کے فلسفی دماغ کا نتیجہ ہیں۔ اس کہنہ اور ایک حد تک ناقابل تصفیہ بحث میں میرے دوست ناظر نے میرے لیے ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ حضرتِ ناظر اے ناظرینِ کرام! آپ کے جانے پہچانے، مشہور و معروف مصنف ہیں، لیکن اب تک آپ انکے فلسفی تصانیف سے نہیں انکی مضامین کی وجہ سے انکو پہچانتے ہیں، اور یہ جامہ فلسفہ انہیں کچھ ایسا زیب دیتا ہے یہ رنگ علمی ان پر کچھ ایسا کھلتا ہے کہ وہ خود اپنے تئیں کسی اڈیٹر یا آپ کے سامنے لاتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ انکو

جبہ و دستار پر فلسفہ اُتار کے جیسیں وہ اسی کامیابی سے جلوہ گر رہے ہیں، دفعۃً فسانہ نگاری اور ڈرامانویسی کی کلاہ کج و قبائے رنگیں پہنی، بظاہر ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ خانقاہ سے یہ یک جست میخانے میں قدم رکھا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ وہ یہ بانکی ٹوپی اور رنگین قبا پہنتے ذرا شرائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اپنے دیباچہ میں اُنھوں نے اس میدان میں آنے کا جسے وہ پبلک کی نگاہ میں مبتذل قرار دیتے ہیں، بہت کچھ عذر خواہی کے لہجے میں ذکر کیا ہے۔ اُنسے زیادہ اور کوئی کیا واقف ہوگا کہ یہ فن، نا اہل ہاتھوں میں پڑ کر ذلیل ہوا ہے، اور صحیح مذاق اور غائر نظر رکھنے والوں سے اُسکا گلہ قدیم ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں میں نہیں لیتے۔

مے کہ بدنام کنند اہل خرد غلط است　　　　بلکہ مے میشود از صحبت ناداں بدنام

میں خوش ہوں کہ "ناظر" نے اس طرف توجہ کی، اور وہ ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ "زود پشیماں" ادبی حیثیت سے، اور نیز (میں انھیں کا لفظ استعمال کرتا ہوں) کیریکٹر نگاری کی حیثیت سے ایک تصنیف لطیف ہے۔

میرے نزدیک وہ یوسف کی تخلیق میں بہت زیادہ کامیاب ہوئے ہیں، لیکن انھوں نے ڈراما لکھتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھکر کہ یہ ایسا ہو کہ کوئی کمپنی اور وہ بھی آجکل کی ناٹک کمپنی اُسے اسٹیج پر ایکٹ کر سکے، ایسے اجزا کو دخل دیا جو اسکی ادبی حیثیت کی تنقیص کرتے ہیں۔ ان اجزا میں جزو اعظم سٹر بیٹی ہیں جس

مسئلے کو انھوں نے موضوع تصنیف قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری موجودہ سوسائٹی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ حق انتخاب مناکحت میں بالکل فریقین کو دیا جائے یا نہ دیا جائے اور دیا جائے تو کس حد تک [illegible] اس حق کو کس حد تک استعمال کرتے ہیں۔ [illegible] کہ [illegible] ایسی صحیح تعلیم [illegible] کہ وہ اپنا [illegible] اور زیادہ وقوع سے ازدواجی زندگی کی رفاقت اور احساسات کے تمام لوازمات پر ایک نظر ڈال سکتے ہیں؛ اور اگر ڈال سکتے ہیں تو وہ اپنے کو کوشش کرتے ہیں یا نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری سوسائٹی کے نظام میں [illegible] عمر کے ایک طویل حصے تک مرد بھی اپنے والدین کے دست نگر رہتے ہیں آیا یہ جائز بھی ہے کہ حق انتخاب تو نوجوان کو دیا جائے اور ازدواج کے مصارف اور ازدیاد نسل کے علاوہ باقی تمام ذمہ داریاں، نوجوان میاں بیوی کے والد کے سر رہیں۔ میری رائے میں یہ مسائل نہایت غور طلب ہیں، اور "زود پشیماں" ان مسائل کے تاریک و غیر منکشف پہلوؤں میں سے ایک پہلو پر نہایت دلچسپ اور نہایت مؤثر روشنی ڈالتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "زود پشیماں" کی ٹریجڈی سوائے ہماری سوسائٹی کے اور کہیں نہیں ہو سکتی۔

لکھنؤ - ۲۸ - مئی ۱۹۱۷ء

سجاد حیدر

دیباچہ

اُردو میں افسانہ نویسی خواہ وہ کسی صورت میں اور کسی درجے کی ہو ایک حقیر و کم رتبہ چیز سمجھی جاتی ہے جس کی جانب متین و سنجیدہ اہلِ علم اعتنا و التفات گناہ سمجھتے ہیں۔ تاریخی ناولوں میں تاریخ کی آمیزش نے فی الجملہ ایک عظمت پیدا کر دی ہے لیکن افسانے کے دوسرے اصناف کو ابھی یہ خوش قسمتی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ اور ڈراما نویسی تو افسانہ نویسی کی تمام صورتوں میں بھی سب سے زیادہ [illegible] حقیر سمجھی جاتی ہے۔ مصنف لہٰذا اس ننگ کو خوشی سے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

سائنس، ریاضی، فلسفہ، [illegible] و تاریخ کے موضوع پر انگریزی کی کسی [illegible] سی ادنیٰ کتاب کا غلط و ناقص ترجمہ کر کے ہر اُردو نویس۔ چند روز میں دولت و ثروت تو [illegible] حیثیت عزت و احترام [illegible] حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن جو شخص [illegible] رسالت [illegible] [illegible] کو قوم کی [illegible]

سب سے بڑا طغرائے امتیاز یہ حاصل ہوتا ہے کہ بھانڈوں کی طرح نقلیں اُتارتا ہے، لوگوں پر ذاتی حملے کرتا ہے اور متانت و سنجیدگی سے تو کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتا۔

اور غور کیجیے تو یہ رائے حیرت انگیز نہیں ہے۔ آپ میرے سامنے اپنے معلومات کا اظہار کرتے رہیے، ریاضی کے مسائل بیان فرماتے رہیے، الٰہیات و فلکیات پر درس دیتے رہیے، میرا ان سے کیا حرج ہوتا ہے؟ میں خوشی سے آپ کے کمالات اور آپ کی فضیلت کے اعتراف کے لیے تیار رہوں گا لیکن جب آپ تماشے کے مجھ کو گالیاں دینے لگیے، میری برادری والوں کے پتڑے میرے ہی سامنے کھولنے لگیے، میری بہو بیٹیوں کے چال چلن کو سر بازار بدنام کیجیے اور غیروں کے سامنے میرے بھائی بندوں کی خانگی زندگی کے کچے چٹھے سنانے لگیے، تب تو جناب والا مجھ سے بھی کسی طرح ضبط نہیں ہو سکتا۔ اور نہ آپ کو اس کی توقع رکھنی چاہیے۔ ایسی حالت میں آپ کا ذرا بھی ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ اور سوا اسکے کہ آپ کو شہدا، لُچّا، کمینہ سمجھ کر جو کچھ جی میں آئے کہہ ڈالوں، اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ خواہ آپ اپنی برأت میں لاکھ یہ عذر پیش کرتے رہیں، کہ آپ نے جو کچھ کہا، اس سے حاشا کسی خاص شخص یا اشخاص پر حملہ مقصود نہیں، بلکہ سوسائٹی کی عام حالت کی تصویر اور اس کی اصلاح مدنظر تھی۔

بعینہٖ یہی حال ڈرامہ نویس و پبلک کا ہوتا ہے۔ ڈرامانویس جب گھوانے پر آنکھیں

کھولتا ہے جس سوسائٹی میں نشو و نما پاتا ہے، اُسی کی کمزوریوں کو فلسفیانہ زبان میں اور مجردات و تعمیات کے پردے میں نہیں بلکہ معمولی روزمرہ میں اور گرد و پیش کی مادی و محسوس مثالوں کے ذریعے سے ظاہر کرتا ہے۔ وہ انسان محض کی پردہ دری نہیں کرتا، بلکہ زید اور بکر کے نام لے لیکر کرتا ہے، وہ نقشہ گو ہیئت اجتماعی ہی کا کھینچتا ہے، تاہم اپنے خاکہ کا مسالا اُسے افراد کی زندگی سے لینا ہوتا ہے۔ اسکے فن کی نوعیت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

گویا جو سلوک ایک مشہور مثل میں "گھر کا بھیدی" "لنکا کے ساتھ کرتا ہے" وہ ایک ڈراما نویس اپنے ماحولِ اجتماعی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے ایسی حالت میں سوسائٹی اسے اپنا سب سے بڑا دشمن، سب سے بڑا مجرم، مارِ آستین، رازشکن، بدعہد، غماز، بدباطن وغیرہ جو کچھ بھی سمجھے کم ہے۔

یورپ اور ہندوستانِ قدیم میں تمدن کی نوعیت، بلندی نے بعض خارجی اسباب پیدا کر کے اس فطری احساس کو مٹا دیا۔ اُردو داں پبلک ابھی چونکہ ان اثرات سے چنداں متاثر نہیں ہوئی ہے، اسلیے یہاں اس صورتِ حال کا پیش آنا ناگزیر ہے

موجودہ ڈراما شاید اُردو میں اپنی نوعیت کی ایک نئی چیز ہے۔ جو لوگ

تھیٹروں میں اُردو ڈراموں کے دیکھنے کے خوگر ہیں، غالباً اُنھیں خشک و بے مزہ معلوم ہو، کیونکہ نہ اسکی نثر میں قافیہ ملحوظ رکھا گیا ہے، نہ اسکی عبارت میں رنگینی پیدا کی گئی ہے نہ اس میں شاہی درباروں کا سمان دکھایا گیا ہے، اور نہ پھر اسکے صفحات میں وہ راگ ملیں گے، جنکا مفہوم ہم جیسے نافہموں کی استعداد سے بالاتر ہوتا ہے۔ جن حضرات کا ذوق اس قسم کا واقع ہوا ہے انکیلئے صفحات آئندہ میں کچھ دلچسپی کا سامان نہیں مل سکتا۔ اس میں ایک خوشحال گھرانے اور بعض متوسط الحال افراد کی زندگی کا مرقع سیدھے سادے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کیگئی ہے، جس سے ممکن ہے کہ ضمناً معاشرت کے بعض پہلوؤں کی بھی اصلاح ہوتی ہو۔ اور اسکا فیصلہ صرف مستقبل کے ہاتھ میں ہے کہ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہے۔

ڈراما نویس کا سب سے مقدم فرض یہ ہے، کہ کیرکٹر نگاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اس فرض کو اوراق آئندہ میں پوری طرح انجام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ایک مقام پر جہاں اہل نظر کو اس حیثیت سے تامل ہوگا وہاں [illegible] مدنظر رکھا گیا ہے، یعنی یہ غرض پیش نظر رہی ہے کہ اگر کسی وقت یہ ڈراما کسی تھیئٹر کی کمپنی میں کھیلا جائے، تو اسکی دلکشی میں فرق نہ آنے پائے۔

یہ ڈراما "الناظر" کے صفحات میں پیشتر بھی شائع ہو چکا ہے جس سے مقصود

صرف یہ دیکھنا تھا، کہ پبلک اسے قبول کرنے کے لیے کہاں تک تیار ہے۔ اسکے شایع ہونے پر متعدد احباب نے، جنکی زندگی علم و ادب کی خدمت میں صرف ہوئی ہے، اور جو شاید اردو پر ایک طرح کا حق اور دعویٰ رکھتے ہیں، مصنف کی کافی حوصلہ افزائی کی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ چند افراد پبلک نہیں بن سکتے۔ قوم کا مذاق نہ ایک دن میں بنتا ہے، نہ ایک دن میں بگڑتا ہے۔ قوم کے مذاق میں جسے تغیر کرنے کا حوصلہ ہو، اسکے صبر استقلال ضبط و تحمل کی کوئی حد نہ ہونی چاہیے۔ شروع شروع اسپر یقیناً سخت سے سخت حملے ہونگے اور ہر طرف سے اسکی تحقیر و تضحیک ہوگی، لیکن اگر مستقل طور پر کوششوں کا سلسلہ جاری رہے تو کیا عجب ہے کہ وہی مضحکہ خیز اور حقارت انگیز شخص کچھ مدت کے بعد اپنے عزائم میں کامیاب ہو جائے

اردو لٹریچر میں حالی کی تازہ مثال سامنے موجود ہے۔ جس زمانے میں مقدمہ دیوان شایع ہوا ہے ہمارے مدعیانِ سخندانی نے اس زور و قوت کے ساتھ اسپر حملہ کیا تھا، کہ معلوم ہوتا تھا حالی کے پرزے پرزے اڑ جائینگے لیکن زمانے نے پلٹا کھایا، ہوا کا رخ بدلا۔ اور اب جو دیکھا، تو کل تک جن حلقوں میں حالی کا نام لینا داخل معصیت تھا آج وہی انکی پرستش پر آمادہ ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ [illegible] ڈراما نویسی کے [illegible] اوقات کا سبب ہوگا۔ مصنف کو [illegible] اسکا اعتراف ہے کہ [illegible]

اسکول کی نکتہ سنجیاں اسکی محدود عقل سے بہت بالا تر ہیں۔ وہ اس فن کا پیمبر، شکسپیر اور صرف شکسپیر کو سمجھتا ہے، اور اسی پر اُسکو فخر ہے۔ اختلاف مذاق ایک فطری شے ہے، یہ کسی بحث و مناظرہ سے نہیں مٹ سکتا۔ ہر شخص کی اپنی اپنی بصیرت ہوتی ہے اور اُسی کے مطابق کام کرتا ہے۔ جس مُلک کے ناقدین سخن امیر و داغ کا نام غالب کے مقابلہ میں پیش کرتے ہوں، اگر اُسی کے بعض افراد شاؔد کو شکسپیر کا ہمسر و مقابل قرار دیں، تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

بہرحال اگر یہ کوشش مُلک میں مقبول ہوئی تو بہتر ہے، اور اگر نہ ہوئی تو اسکا بھی چنداں افسوس نہ ہوگا۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

"ناظر"

اشخاص ڈراما

نواب راحت حسین	خلد آباد کے رئیس،
نواب باقر حسین	اُنکے چھوٹے بھائی
حُسنیٰ	باقر حسین کی تعلیم یافتہ لڑکی - (ہیروئن)
مشرف	راحت حسین کا فاتر العقل لڑکا، حُسنیٰ کا منگیتر (کامک کیریکٹر)
یوسف	نواب باقر حسین کا ایک عزیز - نہایت تعلیمیافتہ نوجوان، جو حُسنیٰ پر عاشق ہوتا ہے - (ہیرو)
مولوی ہدایت اللہ	باقر حسین اور اُنکے سارے خاندان کا مخلص دوست اور خیر خواہ
ماسٹر پے بیشی	مشرف کے اتالیق (کامک کیریکٹر)
جعفری، گھوش، واچا،	ہسٹنگ کالج کے پروفیسر
خلیل	یوسف کا ایک دوست
عشرت	حُسنیٰ کی پھوپھی زاد بہن، اُس سے کچھ بڑی -
نزہت	حُسنیٰ کی خالہ زاد بہن، اُس سے کچھ چھوٹی -

مصاحبین، خدمتگار، طوائفیں، بو اغفورن، وغیرہ

چند دلچسپ ڈرامے

ہیملٹ - شیکسپیر کا مشہور ڈرامہ ہے۔ جناب آغا محمد اشرف دہلوی ... بی اے نے اردو کا لباس پہنایا، اور دیباچہ میں ڈرامہ اور ڈرامے کی تاریخ پر مفصل بحث کر کے خلاصہ قصہ بیان کیا اور اس پر تنقید کی ہے (طبع ثانی)، قیمت عہ

تسخیر فراس - شیکسپیر کے لاجواب ڈرامہ ہنری ... کا ترجمہ مولانا سید تفضل حسین ثاقب نے اس خوبی سے کیا ہے کہ اردو عبارت میں بھی شیکسپیر کے انداز بیان کا لطف آتا ہے۔ اور دلچسپیوں کی طرح یہ ڈرامہ بھی الناظر کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ قیمت ۸ر

وکرم اروسی - مہاکوی کالیداس کا مشہور ناٹک ہے۔ جسے مولوی عزیز مرزا بی اے سابق ہوم سکرٹری ریاست حیدرآباد نے بڑی محنت و قابلیت سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کے بسیط مقدمہ میں سنسکرت کے ڈراموں کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے اور کالیداس کا موازنہ شیکسپیر اور اوروں سے کیا گیا ہے۔ (طبع ثانی) قیمت عہ

لیلیٰ مجنوں - یہ منظوم ڈرامہ لکھنؤ کے مشہور ادیب و شاعر فلسفی و عالم جناب مرزا محمد ہادی رسوا بی اے کے قلم سے۔ قیمت ۸ر

میکفرن اور لوسی - ناصر ... منشی احمد علی شوق قدوائی کا طبع زاد ... قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ:- **الناظر ایجنسی۔ لکھنؤ**

زود پشیماں

ایکٹ اوّل

سین (۱)

(رئیس خلد آباد، نواب رحمت حسین کے بھائی باقر حسین کے یہاں تقریب ولادت دختر میں جشن ہے۔ بہت سے مہمان جمع ہیں۔ طوائفیں گاتی بجاتی نظر آتی ہیں)

ایک طوائف (گاتی ہے)

مجھ کو محرومِ کرم میری وفا نے رکھا
اُن کو مشغولِ ستم اُنکی جفا نے رکھا

دل یہ کیا جانے کہ شمشیر ہی کیا تیر ہی کیا
اسکو بسمل ترے انداز و ادا نے رکھا

یہ ترا شعلۂ رُخ گیسوے مشکیں سے چھپا
یا چھپا کر مہِ تاباں کو گھٹا نے رکھا

ایک دم ہو نہ سکی ہم سے کبھی طاعت حق
ایسا پابند ہمیں حرص و ہوا نے رکھا

شوخیاں تیری نہ ظاہر ہوئیں خود تجھ کو بھی
تجھکو دھوکے میں تری شرم و حیا نے رکھا

ہرگز انجام کا بھولے سے بھی آیا نہ خیال
دل کو غفلت میں سدا شوخی ٔ شامت نے رکھا

کس زباں سے کہے اپنے تئیں ناظرؔ آزاد　　　قیدِ الفت میں تو اُس زلفِ دوتا نے رکھا

دوسری　　(گاتی ہے)

اُسکے انداز میں الفت نہ وفا ہوتی ہے　　　ہاں اگر ہوتی ہے کوئی تو جفا ہوتی ہے
پھر ہے بیتاب زباں عرضِ تمنا کے لیے　　　دیکھیے دیکھیے پھر تجھ سے خطا ہوتی ہے
تجھکو کھلنے نہیں دیتی کبھی عصمت تیری　　　شوخیوں پہ کبھی آتی، تو پھر حیا ہوتی ہے
مل ہی جاتی ہیں کبھی اپنی نگاہیں اُنسے　　　وہ بھی جب ایسی ہی تقدیر رسا ہوتی ہے
لذتِ وصل کے منکر تو نہیں ہم لیکن　　　لذتِ کاہشِ ہجر اس سے سوا ہوتی ہے
اس نے خودداریِ ناظرؔ کو مٹا کر چھوڑا　　　یہ محبت بھی عجب سخت بلا ہوتی ہے

راحت حسین - اچھا - اب رات زیادہ آگئی - داروغہ، اسوقت کا انعام دے کر ان لوگوں کو رخصت کردو - صبح کو پھر محفل ہوگی - ان لوگوں سے تاکید کردو کہ ٹھیک وقت پر آجائیں -

داروغہ - بہت خوب، خداوند -

(ارباب نشاط جاتے ہیں۔ مہمان بھی رخصت ہوتے ہیں۔ صرف دو چار اعزہ و احباب رہ جاتے ہیں)

ایک دوست - حضرت - اسوقت کا جلسہ تو بہت ہی پُر لطف رہا - خدا جھوٹ نہ بلوائے ہمنے تو ایسا جلسہ عمر بھر نہیں دیکھا - ابھی اُس روز مہاراجہ بیتیا نگر نے بھی تو جلسہ کیا تھا، مگر توبہ کیجیے، کہاں وہ، کہاں یہ، قسم خدائے پاک کی تو یہ ہے حضرت آپ نے جلسہ دکھانے کا حق ادا کردیا -

دوسرے دوست ۔ اجی آپ نے بھی کس کا نام لیا ۔ راجہ مہاراجہ ہونے سے کیا ہوتا ہے، وہ چاہے ہفت اقلیم کے بادشاہ ہو جائیں، مگر وہ دل کہاں سے لائیں گے، جو ہمارے نواب صاحب کا ہے ۔

راحت حسین ۔ خیر، یہ آپ حضرات کی محبت و عنایت ہے، جو میری یوں قدر افزائی کرتے ہیں ۔ ورنہ ہم لوگ کیا اور ہماری بساط کیا ۔

باقر حسین ۔ مگر جلسے میں ایک بات کی کمی رہ گئی ۔ وہ یہ کہ بھابھی جان نہ شریک ہوئیں ۔ اُنکے آنے سے یقیناً رونق دوبالا ہو جاتی ۔

راحت حسین ۔ دیکھو، باقر ۔ اگر تم اس طرح کی باتیں مذاق میں کرتے ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں ۔ وہ تمہاری بھاوج ہیں اور تمہارے اُنکے مذاق کا رشتہ ہے لیکن اگر سنجیدگی سے کہہ رہے ہو، تو تم جانتے ہو کہ میں کبھی اس خیال میں تم سے متفق نہیں ہو سکتا ۔ ہماری شریف زادیوں کی فطرت ہی اسکے مخالف ہے کہ وہ کبھی اپنی خوشی سے غیر مردوں کے سامنے آئیں ۔

باقر ۔ تعجب ہے کہ آپ کو میری گفتگو پر مذاق کا گمان ہوا ۔ آپ دیکھتے نہیں کہ خود دُشمنی کی والدہ اس جلسہ میں موجود ہیں ۔ اس سے زیادہ آپ میری سنجیدگی کا کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ رہا عورت کی فطرت کو پردہ کی بحث میں لانا تو میرے آپکے بارہا اس مسئلہ پر گفتگو آچکی ہے ۔ بھائی جان، معاف کیجیے گا، آپکے خیالات اس بارے میں سخت مشرقی واقع ہوئے ہیں ۔ آپ کو یاد ہوگا میں بھی

ایک زمانہ میں آپ کا ہم خیال تھا۔ لیکن یورپ جا کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں ہم
عورتوں پر اور سب طرح کے مظالم روا رکھتے ہیں۔ وہاں ایک [illegible]
اور میں نے وہیں یہ تہیہ کر لیا کہ اگر سارے ہندوستان میں نہیں تو کم از کم اپنے
خاندان میں اس رفارم کو ضرور جاری کرونگا۔ اہل مشرق ان معاملات میں
نہایت تاریک خیال واقع ہوئے ہیں۔ ایک پردے پر کیا موقوف ہے، نکاح،
طلاق، تعلیم نسواں، غرض ہر ایسی رسم جسکا تعلق عورتوں سے ہے شدید اصلاح
کی محتاج ہے۔ روشن خیال گروہ کی کوئی سنتا ہی نہیں۔

مولوی ہدایت اللہ۔ خیر۔ وہ قدیم مشرقی گروہ تو قابلِ الزام ہی ہے، مگر
مجھے مغربی تعلیم یافتہ گروہ کی بھی اخلاقی و معاشرتی حالت بہتر نہیں نظر آتی۔

باقر۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ باتیں کرنا سیکھ لیتے ہیں، مگر کام کرنا نہیں جانتے۔
میری عادت عام لوگوں کے برخلاف یہ ہے کہ میں کام کرنا جانتا ہوں، باتیں کم
کرتا ہوں اور کام زیادہ کرتا ہوں۔

ہدایت اللہ۔ بارہا یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کے کام نہ کرنے
پر سب سے زیادہ معترض ہوتے ہیں، وہی خود سب سے کم کام کرتے ہیں۔ یہ کہنا
کہ "عمل ہونا چاہیے" بھی قول ہی ہے، عمل نہیں ہے۔

[illegible]ت حسین۔ اچھا، اب اس بحث کو الگ کیجیے، اپنا اپنا خیال ہا در اپنی اپنی

[illegible]۔ ہاں۔ باقر! مجھے تم سے اسوقت ایک خاص بات کہنا ہے۔ کہوں نہ ہو

یہاں کوئی غیر تو ہے نہیں۔۔

بابا تقی۔ شوق سے کہیے۔ غیر کون ہے؟ مولوی ہدایت اللہ کہنے کو غیر ہیں، مگر دراصل اپنوں سے بڑھ کر ہیں۔

راحت۔ اس وقت مجھے جو کچھ کہنا ہے اسکی آرزو مدت سے دل میں تھی۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے آج وہ تمنا پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ خدا تمھارے دل میں بھی نیکی ڈال دے۔ ہاں وہ بات یہ ہے کہ ماشاء اللہ آج تو حُسنٰی کی والدہ کا چہلم بھی ہو گیا۔ میری خواہش ہے کہ مشرف کو تم اپنی فرزندی میں قبول کرو۔ وہ تمھارا لڑکا یوں بھی ہے، لیکن اگر ابھی سے حُسنٰی کے ساتھ نامزد ہو جائے تو مجھے دل سے خوشی حاصل ہوگی۔ میری عین تمنا یہ ہے کہ جس طرح مجھ میں تم میں کبھی کسی قسم کا فرق نہیں ہوا، اسی طرح میری تمھاری اولاد بھی ہمیشہ ایک رہے۔

بابا تقی۔ (ذرا سوچ کر) آپ ہر طرح مالک ہیں، مشرف و حُسنٰی دونوں آپ ہی کی اولاد ہیں۔ حُسنٰی کی والدہ، تم بولو۔

حُسنٰی کی والدہ۔ میں کیا بولوں؟ بھائی جان کو ہر طرح اختیار ہے جو انکی خوشی وہی میری خوشی۔

راحت۔ نہیں نہیں۔ محض میری خوشی کے خیال سے نہیں، بلکہ جو کچھ واقعی تمھارے دل میں ہو وہ کہو۔ یہ تمھاری سعادتمندی ہے جو میری خوشی کا اس قدر خیال رکھتی ہو، مگر میں چاہتا ہوں کہ تم بھی خوب سوچ سمجھ لو۔

حسنی کی والدہ - مجھے اس سے اچھی نسبت اور کہاں مل سکتی ہے -

باقر - اب اس میں سوچنا ہی کیا ہے گھر کی بات میں یہی تو بڑی خوبی ہوتی ہے کہ نہ ذات رات کی بحث، نہ صورت شکل کے دیکھنے میں دقت -

راحت - تو اس بات کو میں پختہ سمجھوں ؟

باقر اور انکی بیوی - ہاں ہاں بالکل پختہ - اب اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے -

ایک عزیز - مبارک، راحت بھائی، آپ کو یہ رشتہ مبارک - کیا خوب آپ نے یہ انتخاب فرمایا ہے - اس سے بہتر رشتہ ممکن ہی نہ تھا -

دوسرا عزیز - سبحان اللہ - اس رشتہ کا کیا کہنا - میں نے تو جس دن سے حسنے کی ولادت کی خبر سنی تھی اُسی وقت سے اس نسبت کا خیال تھا - ہاں منہ سے نکالنے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی -

تیسرا عزیز - اور باقر بھائی آپ کو بھی مبارک - لڑکا لڑکی، دونوں چندے آفتاب چندے ماہتاب - واہ کیا اچھا جوڑا ہے - میں کہتا ہوں کہ آپ ایک چراغ لیکر ڈھونڈھتے تو راحت بھائی آپ کو نہ ایسی بہو ملتی اور باقر بھائی نہ آپ کو ایسا داماد ملتا -

راحت (آسمان کی طرف سر اُٹھا کر) اے پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ معاملہ اس خیر و خوبی سے طے پا گیا ..... ہاں مولوی صاحب آپ بالکل خاموش رہے -

ہدایت اللہ - کاش میں اسوقت یہاں موجود نہ ہوتا -

راحت - ایں! یہ آپ نے کیا فرمایا؟

ہدایت اللہ - یہ میں نے اس لیے کہا کہ اگر اپنی اصلی رائے ظاہر کروں تو شاید آپ لوگوں کو مکدّر ہو -

راحت - نہیں صاحب - اس میں ناخوشی کی کیا بات ہے - جو کچھ فرمانا ہو شوق سے فرمائیے -

ہدایت اللہ - میری ناقص رائے میں ابھی یہ نسبت بالکل قبل از وقت ہے -

راحت - نہیں، مولوی صاحب یہ نہ فرمائیے - آپ تو اِن باتوں پر یقین نہیں کرتے - مگر مجھے منشی حیدر حسین فلکی کی بات پر دل سے اعتقاد ہے - بارہا آزمایا ہمیشہ اُنکے کلام کو سچا پایا - اچھے اچھے پنڈت اُنکا لوہا مانتے ہیں - انھوں نے اس نسبت کے واسطے یہی ساعت سعید بتائی تھی -

ہدایت اللہ - "ایں سخن را چہ جواب است تو خود می دانی" - لیکن مجھے شکایت کا حق باقر میاں زیادہ تر آپ سے ہے - آپ کی صاحبزادی کی عمر ابھی چند ہفتے سے زائد نہیں، آپ ابھی سے اُسکی قسمت کا فیصلہ کیے دیتے ہیں -

باقر - مولوی صاحب ایک پہلو پر آپ نے بالکل غور نہیں کیا - دیر کرنے میں ڈر ہے کہ دوسری جگہ سے پیام آگیا تو ہمیں وہاں انکار کرنے میں دقت ہوگی - اور یہ ظاہر ہے کہ مشرف کے ہوتے ہوے مجھے حُسنی کو غیر جگہ کرنا منظور نہیں - آپ جانتے ہیں کہ خاندانی جائداد جو کچھ ہے وہ اسوقت ماشاءاللہ بھائی جان کی مِلک

نہیں ہے، اور بھائی جان کا وارث بجز مشرف کے اور کون ہو سکتا ہے جبکہ
اگر حسنی بھائی جان کے یہاں رہ کر پلنے کی تو سنا ہے اسے کوئی غیر کی
کوئی لڑکی اگر اس دولت پر قبضہ کرے، خاندانی جائداد ہم بھائیوں ہی کے
پاس رہے گی۔

ہدایت اللہ۔ تعجب ہے کہ یہ الفاظ میں آپ کی زبان سے سن رہا ہوں۔
ایک طرف تو آپ سوشل رفارمر کا دعویٰ کرتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ ازدواج
کے متعلق جتنے لغو مراسم ہمارے یہاں رائج ہیں وہ سب مٹ جائیں۔ اور پھر
اسی کے ساتھ آپ اپنے ذاتی معاملے میں اس قدر تاریک خیالی کا اظہار
کرتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک انتخابِ زوج میں لڑکے لڑکی کی آواز کو مطلقاً
دخل نہ ہونا چاہیے۔ اور یہ صرف والدین کا کام ہے، کہ اپنے مال و اسباب کی
طرح جہاں چاہیں، مناسب قیمت لیکر اپنی اولاد کو بیع کر دیں؟ مانا، کہ
دنیا میں دولت سب کو عزیز ہوتی ہے مگر کیا اُسے اولاد سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے؟

باقر (برافروختہ ہوکر) میں نہیں سمجھتا اس تقریر سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ
یہ چاہتے ہیں کہ اصلاحِ معاشرت کی تھیوریاں پیش کر کرکے میرے ہاتھوں میری
مصلحتوں کا خون کرا دیں؟ اگر یہ منشا ہے، تو اس میں ہرگز آپ کو کامیابی
نہیں ہو سکتی۔

ہدایت اللہ۔ دیکھیے، آخر وہی پیش آیا جس کا مجھے ڈر تھا۔ میں تو جانتا

تھا کہ میرے استاد کے شاد ستن پڑھانے جائیں گے۔ لیکن اگر آپ ہی لوگوں نے اصرار نہ کیا ہوتا تو میں اپنی بیٹی کی شادی بھی نہ کرتا۔ تاہم باقر میاں آپ کے اوپر سے یہ الزام کسی طرح رفع نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف تو اصلاح کا سلسلہ اور رسم کا پردہ زور و شور سے اور دوسری طرف اپنی بیٹی ہی پہ یہ ظلم، کہ اُسکے بلوغ کا بھی انتظار نہیں اور قبل اسکے کہ اُسے کچھ بھی شعور ہو، اُسکی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ آپ کو ذرا بھی خیال نہیں کہ وہ بھی انسان ہے۔ ایک روز وہ بھی عقل و شعور رکھےگی اور کسی شے کو پسند، کسی کو ناپسند کر سکے گی۔ کہاں وہ زبانی روشن خیالی و آزادی اور کہاں یہ عملی استبداد و جبّاری!

باقر (اور زیادہ برافروختہ ہو کر) مولوی ہدایت اللہ صاحب، میں آپ کے علم و فضل کے سبب سے اب تک آپ کا بہت لحاظ کرتا رہا۔ لیکن اب صاف صاف کہتا ہوں کہ اولاد کی تقدیر کا فیصلہ بے شک والدین کے ہاتھ میں ہے۔ میں جہاں چاہوں اپنی لڑکی بیاہ دوں۔ اس کا پوری طرح مجاز ہوں۔ اور آپ کو دخل در معقولات کا کوئی حق نہیں۔

ہدایت اللہ گفتگو میں بدمزگی بڑھتی جاتی ہے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ پھر حاضر ہوں گا۔ آداب۔ آداب۔ (جاتا ہے)

باقر۔ جائیے، بیٹھئے کا آپ کو اختیار ہے لیکن یاد رہے کہ اس بارے میں اگر ہزار مرتبہ گفتگو کیجیے گا تو ہزار ہی مرتبہ ناکام رہیے گا۔

راحت - میں کہتا ہوں یہ مولوی صاحب کو سوجھی کیا، کہ بیٹھے بٹھائے ایک شگوفہ چھوڑ گئے

ایک عزیز - اور کچھ نہیں۔ بس ایک بنے ٹھنے گھر میں فساد ڈلوانا چاہتے تھے

حسنی کی والدہ - ایسے ہی آدمی تو آستین کے سانپ کہلاتے ہیں۔

دوسرا عزیز - مگر کیا منہ کی کھائی ہے۔ بھلا باقر بھائی ایسوں کے دم میں کب آتے ہیں۔

راحت - خیر، اب چل کر سونا چاہیے۔ صبح دوسری محفل ہے۔

(سب جاتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

سین (۲)

(ہارڈنگ کالج کا صحن تین پروفیسر آ کر جمع ہوتے ہیں)

جعفری - ہلو، مسٹر گھوش، مزاج اچھا؟

گھوش - آپ کی دعا سے سب اچھا ہے۔ لیکن مسٹر جعفری، آپ اس وقت کھوب (خوب) مل گئے، ہم تو آپ کی تلاش ہی میں تھا۔ فورتھ ایر کے یوسف کو تو آپ جانتے ہونگے۔ کیسا تیز، کیسا انٹلیجنٹ (ذہین) اور کیسا پرامسنگ (ہونہار) ہے۔ پرسوں سے اگزامنیشن (امتحان) شروع ہے، اور وہ بیچارہ ہائی فیور (شدید بخار) میں پڑا ہوا ہے۔ سٹینڈرڈ فور (۱۰۴) ٹمپریچر رہتا ہے۔ اب بولیے کیا ہو؟ اپنے کالج کا ملہ (معاملہ) ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، مگر آپ جانتے ہیں یونیورسٹی تو کسی بیاری

کالج کی ساکھ (ساکھ) نہیں کرتی۔ ڈاکٹر واجپائی آپ بھی کچھ کہیے۔
جیجانی صاحب۔ یہ خبر تو آپ نے بہت ہی افسوسناک سنائی۔ مجھے میتھمیٹکس (ریاضی)
کی تعلیم دیتے ہوئے اکیس برس ہو چکے، لیکن میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس
قابلیت اور اس دماغ کا کوئی طالب علم اب تک میرے تجربے میں نہیں آیا۔
وہ بیچارہ اگر محض اتفاقی حالات کے باعث امتحان نہ دے سکا، تو ایک سخت
اندوہناک واقعہ ہوگا مگر ہم لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ چلیے پرنسپل صاحب کے
پاس چلیں۔ شاید وہ کوئی رائے بتائیں۔ وہ یوسف کے مداح تو بہت ہیں۔
مجھے ڈر ہے کہ پرنسپل بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ یونیورسٹی لاز (یونیورسٹی کے
قوانین) اس بات میں بہت اسٹرکٹ (سخت) ہیں۔ لیکن اگر یوسف اگزامینیشن
(امتحان) نہ دے سکا، تو اس کا رنج مجھے آپ دونوں سے جیاتی (زیادہ) ہوگا۔
میرے سبجکٹ (مضمون) میں جتنی لیاکت (لیاقت) اسکو ہے میں جانتا ہوں
کہ کسی اسٹوڈنٹ (طالب علم) کو کیا، اچھے اچھے پروفیسرز کو نہیں ہوتی۔ مجھ سے
پرائیویٹ طور پر جب وہ بیالوجی (علم الحیات) کے کسی ٹاپک (مسئلہ) پر بولنے
لگتا ہے تو اسکی اکل (عقل) اور لیاکت (لیاقت) کے آگے اپنے آپ کو (خود مجھے)
شرم مالُم ہونے (معلوم ہونے) لگتی ہے۔ مسٹر جعفری، میری پروفیسی (پیشین گوئی) ہے
کہ ایک دن کھالی (خالی) انڈیا (ہندوستان) میں نہیں، بلکہ سارے ورلڈ (دُنیا)
کے سائنٹسٹ (علمائے سائنس) میں اپنا نام پیدا کرے گا

جعفری۔ بیشک بیشک بشرطیکہ تم نے اپنی قابلیت ثابت کر دکھائی تب آ جائے۔

گلنوش۔ چچا یہ باتیں تو ہو گئیں مگر سمجھ پرنسپل کے پاس چلنا ضرور (ضروری)

... یہ تو ہم جانتے ہیں کہ یہ تو بہتی لا ... سامنے ... بھی کچھ ... کرنا ...

تب اپنی ڈیوٹی (فرض) پوری کرنی چاہیے۔

(چاچا و جعفری۔ چلیے (سب جاتے ہیں)

سین (۳)

(حسنیٰ اپنے کمرے میں رینی دونوں بیٹھی ہیں عشرت و نزہت کے ساتھ بیٹھی ہے)

حسنیٰ ہاں عشرت آپا۔ اس وقت میاں جان کے آ جانے سے وہ باتیں رکھی تھیں۔ اب بیان کیجیے۔ لیڈی لاڈوش سے آپ سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟

عشرت۔ زیادہ تر تمہاری ہی باتیں رہیں۔ اسکول میں تمہارا امتحان لیکر وہ تم سے بے انتہا خوش ہوئیں۔ میں جب سہ پہر کو ملنے گئی تو چلتے دیر تک تمہاری ذہانت و لیاقت کی تعریف کرتی رہیں پھر یہ پوچھا کہ انکی شادی کہیں ٹھہری ہے؟

(اسکے بعد کمرے میں ایک آدھ منٹ خاموشی رہتی ہے)

حسنیٰ۔ یہ آپ باتیں کرتے کرتے چپ کیوں ہو گئیں؟

عشرت۔ شادی کی باتیں سننے کا بہت جی چاہتا ہے۔ چچا حسن۔ میں نے وہی جواب دیا جو سچی بات تھی

حسنیٰ۔ کیا۔ سچی بات کیا؟

عشرت یہی کہ انکی منگنی بچپن سے انکے چچا زاد بھائی شرف کے ساتھ ہو چکی ہے
حسنیٰ ۔ بجیہ آپا۔ مجھے آپ کی یہ دل لگی نہیں اچھی لگتی۔ میں کتنی دفعہ
آپ سے منع کر چکی ہوں۔
عشرت ۔ نزہت، سنتی ہو حسنیٰ کی باتیں، کہتی ہیں یہ دل لگی ہے، یہ نہیں کہتیں
کہ دل کی لگی ہے۔
نزہت ۔ جی ہاں، انکے نزدیک یہ دل لگی ہے۔ ماں باپ بہت ہوئی ٹھیک
ٹھاک کر چکے۔ اب انشاءاللہ ادھر سے نکاح کی جلدی مچنے والی ہے۔ انکے
نزدیک یہ سب مذاق ہے۔
حسنیٰ ۔ کیوں نزہت، تم بھی آپا کی طرح مجھ سے مذاق کرنے لگیں۔
عشرت ۔ خیر، تم اپنی زبان سے اسے مذاق ہی کہے جاؤ۔ مذاق میں منگنی
ہوئی، مذاق میں نکاح بھی ہو جائے گا۔ تم ایجاب و قبول کے وقت بھی
مذاق ہی میں "ہاں" کہدینا۔
حسنیٰ خدا نہ کرے۔ آپا آپ تو ایسی بات منہ سے نہ نکالیے۔ وہ کہتے
نہیں یا فال زبان یا فال قرآن۔
نزہت ۔ اے تو اس میں بدفالی کی کیا بات ہے۔ خدا سب کو دولہا مبارک کرے
حسنیٰ جی ہاں، کسیکی زندگی تلخ ہو جائے اور آپ اپنے مبارکباد دیتی رہیں۔
عشرت ۔ اے دور پار، تلخ تمہارے دشمنوں کی زندگی ہو، تمہاری زندگی

خدا نخواستہ کیوں تلخ ہونے لگی۔ لیکن آخر یہ تو سمجھو اتنے دنوں کی پکی پکائی بات کہیں تمھارے انکار سے چھوٹ سکتی ہے۔ ماں باپ کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ بھلا ہم لوگ کہیں اُنکی بات ٹوٹ سکتے ہیں۔

نزہت ۔ اور مشرف بھائی جان میں آخر بُرائی کیا ہے شادی کہیں نہ کہیں تو کرنا ہی ہوگی۔ پھر مشرف بھائی جان نے کیا قصور کیا ہے؟

حُسنیٰ ۔ قصور وصور تو میں جانتی نہیں ہاں یہ البتہ جانتی ہوں کہ جب دو آدمیوں کے مزاج میں میل نہ ہو، تو اُن کا الگ رہنا ہی اچھا تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ کا کبھی جوڑ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک سیدھی سی بات تھی، جو میں نے کہہ دی، پھر اور چال چلن وغیرہ کی جو باتیں زبان سے نکالنے والی نہیں، اُنھیں کوئی کیسے کہے، موئے داغ کی جو حالت ہے اُسے سارا زمانہ جانتا ہے۔ ایک میرے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔

عشرت ۔ یہ سب کچھ سہی، لیکن پھر بھی ماں باپ کا بڑا حق ہے۔ اُن کی مصلحت میں دخل دینا بدتمیزی ہے۔

حُسنیٰ ۔ جی ہاں، جسکو سابقہ نباہنا ہے، چاہے اُسکی جان پر بن جائے مگر مُنہ سے نہ نکالے۔ کیونکہ بدتمیزی ہے۔ ایسا ہی تمیزدار رکھنا تھا، تو مجھے اسکول میں تعلیم کیوں دلائی!

عشرت ۔ تو اگر آپ تعلیمیافتہ ہیں، تو مشرف بھائی کو بھی کوئی جاہل نہیں کہہ سکتا

جب سے اماں جان نے ایک نئے ماسٹر کو رکھا ہے، تب سے انکی لیاقت اعلیٰ درجے کی ہو گئی ہے۔ یہ ماسٹر صاحب علیگڑھ کے پڑھے اور ولایت کے ایل ایل ڈی ہیں۔

حسنیٰ - جی، کچھ وہ ماسٹر خود بہت لائق ہیں۔ کچھ اپنے شاگردوں کو لیاقت پلا دیں گے۔ مجھے ماسٹر صاحب کی بھی لیاقت کا حال معلوم ہے۔

عشرت - تو یہ کہیے، انکی لیاقت بھی آپ کے جی پر نہیں بیٹھتی۔ اچھا آپ عرش معلّٰی سے اپنی پسند کا تعلیمیافتہ شوہر لائیے گا۔ یہ بھی ایک بچپن کی حماقت ہے۔

نزہت - اچھا - عشرت آپا، اب اس ذکر کو جانے دو۔ اس سے کہیں جی میں رنج نہ آجائے۔ ہاں حسنیٰ باجی، تمھارا گانا کئی دن سے نہیں سنا۔ اب کچھ گانا ہونا چاہیے۔

حسنیٰ - مجھ سے اسوقت گایا وایا نہ جائے گا۔

نزہت - حسنیٰ باجی، تم کو میرے سر کی قسم کچھ تھوڑا سا سنا دو۔

حسنیٰ - اچھا، اچھا، گا دونگی، قسمیں کیوں دلاتی ہو۔ ادھر سے ہارمونیم اٹھاؤ۔ ہاں کیا گاؤں؟ داغ کی کوئی غزل؟

نزہت - ہاں ہاں داغ ہی کی کہیے۔ داغ کے کلام میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔

حسنیٰ - اصغری دروازے پر بیٹھی رہ، کوئی آنے لگے تو مجھ سے دوڑ کے کہہ دینا۔ (گاتی ہے)

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے — اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی — بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

یقیں ہے کہ ہو جائے آخر کو سچی — مرے منہ میں انکی زباں آتے آتے

تمہارا ہی مشتاق دیدار ہوگا — گیا جان سے اک جواں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں — انھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

نتیجہ نہ نکلا، تھکے سب پیامی — وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو — کہ آئیگی اردو زباں آتے آتے

اصغری (دوڑی آتی ہے) بٹیا، میاں آرہے ہیں۔ (گانا رکتا ہے۔ باقر حسین آتے ہیں)

باقر حسین۔ کیوں بٹیا، اسوقت کیا ہو رہا ہے؟

حسنی۔ کچھ نہیں میاں جان ذرا ان لوگوں کو ڈاکٹر اقبال کا ترانہ سنا رہی تھی، وہی، "مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"۔

باقر۔ ہاں، ہاں، یہ خوب چیز ہے۔ اسے ضرور پڑھتے رہنا چاہیے۔ ایسی چیزوں سے قومی حرارت و حمیت قائم رہتی ہے۔ اچھا تم لوگ بیٹھو، میں جاتا ہوں۔"

(چلے گئے)

عشرت و زینت خوب ہنستی ہیں اور کہتی ہیں "واہ بہن حسنی کیا بات بنائی ہے"

حسنی۔ اے بہن تو کچھ ہوا ہی نہیں۔ پر یوں عجب تماشہ ہوا۔ میں باغ میں بیٹھی زہر عشق کے کچھ اشعار دیکھ دیکھ کے گنگنا رہی تھی اتنے میں اکبارگی میاں جان آگئے۔

اور پوچھنے لگے "کیا گا [illegible]" میں نے فوراً جواب دیا کہ غالب کا وہ قصیدہ [illegible]
جو انھوں نے حضرت [illegible] کی تعریف کرکے لکھا ہے، وہی [illegible]
اس وقت دعا ہے"۔ میرے منہ سے جیسے ہی یہ کہا، میاں جان وہیں کرسی پر بیٹھ گئے، اور
کہنے لگے "مجھے سناؤ، میں سنوں گا"۔ تب تو میں بہت گھبرائی، کیونکہ مجھے [illegible]
وہی شعر یاد تھے۔ پھر وہ تو میں نے جوں توں کرکے سنائے، اور جو [illegible]
تھی کہ [illegible] ہوگا، [illegible] میں خالہ جان آگئیں اور میاں جان ان سے باتوں
میں لگ گئے۔ اور وہ بات ٹل گئی۔ (سب ہنستے ہیں)

عشرت۔ اچھا۔ اب چلو۔ کھانے کا وقت آگیا۔ حاجی اماں انتظار کرتی ہوں گی۔

(سب جاتے ہیں)

سین (۴)

(مشرف اپنے کمرے میں مع دو مصاحبوں کے بیٹھے ہیں۔ ماسٹر صاحب [illegible])

ماسٹر۔ مشرف۔ حسب قاعدہ، پہلے مجھے تمھاری عام [illegible]
اس کے بعد آج کا درس ہوگا۔ اچھا، اس ہفتے میں تم نے اگر کسی [illegible]
دیانت کا ثبوت دیا ہو تو ہم سے بیان کرو۔

مشرف۔ اجی ماسٹر صاحب، آپ کی دعا سے اس طرح کے [illegible]
دو ایک نہیں، بلکہ بہت سے پیش آتے ہیں، جن پر لوگ [illegible] خوشی کے

ہنسنے لگتے ہیں۔ اب میں اُنھیں کہاں تک بیان کروں۔

ماسٹر ۔ بطور نمونے کے کوئی ایک واقعہ بیان کرو۔

ایک مصاحب ۔ اے حضور، وہ کپڑے والا واقعہ بیان فرمائیے۔

مشرف ۔ ہاں خوب یاد آیا۔ سُنیے ماسٹر صاحب، کل شام کو میں کپڑا خریدنے یہاں اسپکویتھ اینڈ لارڈز کی دوکان پر گیا۔ جاتے ہی میں نے دوکاندار سے کہا، کہ ۳۰۔ فروری ۱۹۰۸ء یوم یکشنبہ بوقت ½ ۹ بجے صبح خالو ابا نے جو کپڑا آپکی دوکان سے خریدا تھا، وہ میں خریدونگا۔ اسپر وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگا۔ میں تاڑ گیا کہ اسے میرے حافظے پر حیرت ہے۔ میں نے کہا کہ عام طور پر تمھارے گاہکوں کا حافظہ خراب ہوتا ہوگا، لیکن ہم اُن میں نہیں۔ ہلو دیکھو کہ اس واقعہ کو ۵ سال ۲ ماہ ۹ دن ۵ گھڑی ہو چکے، لیکن آپکی یادداشت میں ابھی بالکل تازہ ہے۔ اسپر وہ دوکاندار میری طرف سے منہ پھیر کر دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ ۔۔۔ تو مجھے بہت برا لگا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ "ابھی اگر ہم پڑھ لکھ کر بھی کپڑا تلاش کرنے میں اس دوکاندار کے محتاج رہے تو تف ہے ہماری تعلیم پر۔ بس یہ سوچکر میں نے خود تلاش شروع کردی۔ جوئندہ یابندہ، پہلی ہی الماری میں وہ کپڑا مل گیا۔ ابھی جناب وہی کپڑا لگا یا۔ کیونکہ اس کپڑے پر پچاس روپیہ قیمت لکھی ہوئی تھی۔ اور خالو ابا نے ... کپڑا خریدا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ اُسکے دام بھی وہ پچاس ہی روپے بتاتے تھے۔ (ایک مصاحب کی طرف اشارہ کرکے) خبطی مرزا صاحب بھی میرے

ہمراہ تھے - مجھے عقل سکھانے لگے کہ "میاں، رنگ و ساخت وغیرہ تو ملا لیجیے -
میں بھلا ان حماقت کی باتوں میں کب آنیوالا تھا - میں نے کہا " ارے اُلّو، یہ
رنگ روپ سب اُڑ جانے والی چیزیں ہیں - اصل شے قیمت ہے قیمت - جب
دام ایک تو مال ایک - اسوا سکے میں نے وہ پہلا کپڑا دیکھا کب تھا - میں نے
تو صرف اُس روز خالو ابّا کو یہ کہتے سُنا تھا، کہ آج ہم اسکو تھم اینڈ لارڈ کے
یہاں سے پچاس روپے کا کپڑا لائے ہیں - غرض یہ کہ میں نے وہ کپڑا خریدا،
خرید کر اُسی دوکان پر ایک کوٹ سینے کے واسطے دیدیا - لیکن آپ جانتے
ہیں کہ کپڑے لتّے کے بارے میں میرے مزاج میں کیسی نفاست ہے - میں نے
صاف صاف اپنی آزادانہ رائے اُس سے یعنی دوکاندار سے بیان کردی -
کہ مجھے کپڑے میں کاٹ کوٹ پسند نہیں، اسے بغیر قطع کیے ہوئے ہی دو -
اسپر وہ میرا قطع کلام کرکے ہنسنے لگا - میں نے کہا " اگر تمھیں اتنی کاریگری بھی
نہیں آتی تو اپنا کپڑا واپس لیلو - ہمیں تمھارے یہاں سودا کرنا منظور نہیں " تب وہ
بولا کہ نہیں، میں آپ کے حکم کی تعمیل ابھی کیے دیتا ہوں - یہ کہکے وہ اپنے
درزی خانے میں چلا گیا، اور مجھے ایک رنگین و چمکدار تصویروں کی کتاب دیکھنے کو
دے گیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر میرا کوٹ میرے ہاتھوں میں دے گیا - ارے حضور
صاحب! اُس دوکاندار کی کیا تعریف کروں، اُس نے کمال یہ کیا تھا کہ کپڑے کو بغیر قطع و برید کے
سے قطع نظر کرکے فوراً ہی سی دیا تھا - گویا جوڑ لگا بھی اور پتہ نہیں لگا - میں نے

تو آج تک ایسا کاریگر دیکھا نہیں۔ میں نے بھی خوش ہو کر جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر اُسے انعام دیدیا۔ اسپر وہ بہت ہنسا، اور کہنے لگا "ہم آپ کا حال ولایت تک چھپوا دینگے، اور یہ لکھ بھیجیں گے، کہ ہندوستان میں اس دماغ کے رئیس ہوتے ہیں، جو پچاس روپے کے سودے پر سو روپے انعام دیتے ہیں۔ میں نے خوش ہو کر ایک نوٹ سو روپے کا اور انعام دیا، اور کہا، کہ ہاں ہمارے نام کے ساتھ رئیس ضرور لکھ دینا، کہیں بھول نہ جانا"

مصاحب۔ اور حضور جیسے ہی دوکان سے باہر تشریف لائے، میں نے دیکھا کہ مارے ہنسی کے سارے انگریز اور میمیں لوٹی جاتی تھیں۔

مشرف۔ تو کیا وہ میرے سامنے نہیں ہنستے تھے۔ ارے اُلّو، دو سو کے نوٹ پائے، اب بھی نہ خوش ہوتے؟

ماسٹر۔ یہ قصہ تو تم نے بہت دلچسپ بیان کیا۔ اچھا، اب میں اپنے سامنے تمہاری ذہانت کا امتحان لیتا ہوں۔ (مٹھی میں کوئی چیز بند کر کے) بتاؤ تو میری مٹھی میں کیا ہے؟ پتہ یہ ہے کہ وہ شے لوہے کی ہے، نوک تیز ہے، اور نہایت مفید شے ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے کام اُسکے ذریعے سے لیے جاتے ہیں۔ تم نے اُسے بارہا دیکھا ہے، بلکہ روزمرہ اُس سے کام لیتے ہو۔

مشرف۔ اچھا اتنا اور بتا دیجیے کہ انسان اُس سے کام کس عضو سے لیتا ہے؟ ہاتھ سے؟ پیر سے؟ آنکھ سے؟

ماسٹر - ہاتھ سے ۔ انگلیوں سے ۔

مشرف - میں سمجھ گیا، میں سمجھ گیا، (اچھل کر) وہ شے پرچھا ہے۔

ماسٹر - اور میری مٹھی کے اندر!

مشرف - جی، اور کیا باہر۔

ماسٹر - (مٹھی سے نب نکال کر) افسوس ہے کہ جواب تم نے صحیح نہیں دیا۔ مگر کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ کیونکہ تم نے بتایا نیزہ اور نکلی نب۔ لیکن نیزہ اور نب دونوں لفظ "نون" سے شروع ہوتے ہیں۔ اس واسطے تمھاری ذہانت پھر بھی قابلِ تعریف ہے۔ - اچھا اب فنونِ لطیفہ کے درس کا وقت آگیا حسب معمول آج بھی شاعری و موسیقی کی تعلیم ساتھ ہوگی۔ (ایک مصاحب سے) نظیر جان حاضر ہے نہ؟ بُلا ؤ اُسے ۔ (مصاحب جاکر نظیر جان کو اُلٹ کولاتے ہیں)

ماسٹر - کوئی اچھی سی غزل سُناؤ۔ مشرف تم شاعر کے کلام پر رائے زنی کرتے رہو۔

نظیر جان - سرکار کو جن شاعروں کا کلام پسند ہے، اُنکی تو کوئی چیز اب یاد نہیں رہی، حکم ہو تو ناظر کی ایک تازہ غزل سناؤں۔

ماسٹر - آخ، کس مہمل گو کا نام لیا، اچھا، خیر، یہی سناؤ۔

نظیر جان (گاتی ہے)

جانبازیوں کو خبط سے تعبیر کر چلے — تم تو یہ خوب عشق کی توقیر کر چلے

پروا نہیں نظارہ کا و شوق سے ہو بند — اب دل میں نقش ہم تری تصویر کر چلے

اہل وفا بھی ساتھ نہ پھر اُن کا دیسکے | اپنی روش کچھ ایسی وہ تغییر کر چلے
مٹتی ہے آپ کی کوئی فرد قرار جرم | مانا کہ ہم شکایت تقدیر کر چلے
کچھ حد سے بڑھ چلی ہیں مری وحشتیں کہ آب | غمخوار مجھ کو بستۂ زنجیر کر چلے
غالب زبان شوق پہ آیا نہ رعب حُسن | لو، ہم تمھارے آگے بھی تقریر کر چلے
حیران ہوں اُنکے حُسن میں کیا ایسا سحر تھا | میرے بھی دل کو جس سے وہ تسخیر کر چلے
انکا سا غیر سے نہیں اب لطف و التفات | بارے ہمارے نالے بھی تاثیر کر چلے
منسوب کر کے عشق کو اک بوالہوس سے تم | اس جذبۂ لطیفہ کی تحقیر کر چلے
یہ کیا ہوا کہ انکی جفاؤں کا ذکر چھوڑ | ناظر بھی شکوۂ فلک پیر کر چلے

ماسٹر۔ کہو، مشرف، یہ غزل بلحاظِ شاعری کیسی تھی؟

مشرف۔ میں کیا بتاؤں کیسی تھی۔ بہت سی شعریں تو میری سمجھ میں نہیں آئیں۔

ماسٹر۔ تم نے سچ کہا۔ واقعی مہمل کلام تھا۔ دِلّی میں غالب ایک بڑا مہمل گو ہوا ہے۔ مہمل گوئی کی کوئی کیا تقلید کرتا۔ اُس کا رنگ تو اچھا ہوا اُسی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ مگر اُسی زمانے میں مومن، شیفتہ، حالی، دو چار شخص اور بھی مہمل گوئی کرنے لگے۔ ان سب کے مرجانے کے بعد میں تو خوش تھا کہ یہ رنگ دنیا سے اُٹھ گیا، مگر حسرت و ناظر و رسوا وغیرہ دو ایک شخص اب تک اُسی روش پر چل رہے ہیں۔ اب تم کوئی اچھا شعر سناؤ۔

مشرف۔ مجھے تو امانت کا کلام نہایت پسند ہے۔ دیکھیے کیا جملہ فرمایا ہے۔

میری تربت پر لگا یا نیم کا اُسنے درخت — بعد مرنے کے مری تو قیر آدھی ہوگئی

ماسٹر۔ واقعی کیا خوب کہا ہے۔ ایسے ہی کلام کو سُن کر آدمی وجد میں آجاتا ہے نیم۔ درخت۔ آدھی۔ تربت۔ دیکھو کس شادابی کے ساتھ یہ سب لفظ زمینِ شعر میں اُگ آئے ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ درخت ہمیشہ زمین میں اُگتا ہے، اور تربت بھی ہمیشہ زمین ہی میں ہوتی ہے۔ اس لیے کیا اچھا درخت کا اُگنا ثابت کیا ہے۔ بلاغت اسے کہتے ہیں۔

مشرف۔ اس سے بھی بڑھ کر امراؤ جان والے حضرت قزاق کا رنگ پسند ہے شعر سنیئے۔

جو تو ملجائے جاڑے میں تو پھر کیا غم ہے سردی کا — **ماسٹر**
تری زلفیں ہوں شانے پر دوشالہ ہو نہ کمل ہو — کیا معاملہ بندی ہے۔

ہمیں رشک آئے اپنے پر ہمیں سے غیر پیدا ہو
ہم ایسے دو نظر آئیں اگر معشوق احول ہو — اسے مضموں آفرینی کہتے ہیں

نکلت برطرف صاحب اگر ایسے ہی نازک ہو
پہن لو نور کے کپڑے نہ جالی ہو نہ ململ ہو — نازک خیالی کی انتہا کردی۔

بس اے قزاق بس بس تو قیامت خیز کو رہنے دو
غضب ہو جائیگا تو [illegible] ہو — مقطع غضب کا زوردار ہے

ماسٹر۔ مشرف، میں بہت خوش ہوا [illegible] اور دیکھا تمہارا ذوق شاعری ہر طرح پختہ ہوگیا۔ اچھا آج [illegible] ضرورت [illegible] رخصت

ہوتا ہوں۔ (سو گئے)

مشرف - یہ ماسٹر کمبخت کہاں کو دپڑے تھے۔ میں اپنی پیاری نظیر جان سے بات کرنے کو ترس گیا۔ اب تو پیاری تم پہلو میں آؤ ..... مرزا جانی صاحب آج جو ولایت سے شرابیں آئی ہیں، انہیں جلد لاؤ (لاتے ہیں)

[شراب کا دور۔ مصاحبین مخمور۔ مشرف بہ مست ہو کر نظیر جان سے زیادہ اختلاط کرنا چاہتا ہے۔ ادب لحاظ، شرم و حیا کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ پردہ گرتا ہے]

ایکٹ دوم

سین (۱)

[یوسف اپنے کمرے میں مطالعہ میں مشغول ہے۔ اسکے دوست خلیل آتے ہیں]

یوسف - تسلیم - آپ خوب آ گئے ہیں۔ میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ کہیے آپ نے مسلم لیگ کا پریسیڈنشل ایڈریس پڑھا۔

خلیل - ہاں، وہ تو میں نے پہلے ہی پڑھ ڈالا تھا۔ اسکی خوبیاں اندازہ سے کہیں بڑھ کر نکلیں۔ پہلے سے معلوم تھا کہ وہ ایسی باتیں ضرور کہیں گے مگر یہ بالکل نہ خیال تھا کہ وہ ان تجاویز کو ایسے پیرایہ اور ایسی خوبی سے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض خیالات تو اس نے وہ ظاہر کیے جو عرصہ ہوا میں آپ کی زبان سے سن چکا تھا۔

یوسف - جی، ہاں آج صبح پروفیسر راجا صاحب ملا تھا۔ وہ بھی اس عجیب قرار دو سے حیران تھے۔

خلیل - کیا قیامت ہے کہ ایک خیال آپ کی زبان سے ادا ہو تو کوئی اُس پر اعتنا نہ کرے، لیکن وہی خیال جب یورپ کے کسی فاضل کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو لوگ اُس پر آمنّا و صدّقنا کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

یوسف - یہی تو حاکم و محکوم جماعتوں میں فرق ہوتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک ملک کے سپاہی دوسرے ملک کے سپاہیوں کو مغلوب کر لیں، تو وہ اس ملک کے حاکم ہو جاتے ہیں۔ لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ یہ فتحمندی محض سطحی اور حکمرانی بالکل ادھوری ہوتی ہے۔ اصلی حکومت وہ ہوتی ہے، جو محکوم جماعت کی جائدادوں اور جانوں پر نہیں، بلکہ اُسکے افکار و خیالات، جذبات و عقائد اور دل و دماغ کے قوٰی پر ہوتی ہے۔ یورپ نے ایشیا کو اسی طرز پر مسخر کرنا چاہا، اور آپ دیکھتے ہیں وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو گیا۔

خلیل - جی ہاں، یہ تو ہے ہی۔ ہاں ایک بات تو بتائیے۔ اِزدواج پر جو ولیم نے رائے دی ہے، اُس سے آپ کہاں تک متفق ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ عورت کے حق میں سب سے بڑی لعنت تجرد، اور سب سے بڑی رحمت تاہّل ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

یوسف - اس سے مجھے پورا اتفاق ہے۔

خلیل - کیا کہا؟ اتفاق!

یوسف - جی، حرف بحرف اتفاق۔

خلیل - تو پھر اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ یا صرف زبان ہی سے اتفاق ہے؟

یوسف - یعنی یہ میری ذات کی طرف اشارہ ہے؟

خلیل - ہاں ہاں صاحب آپ ہی کی طرف - جب آپ ایک رائے کو بالکل صحیح مانتے ہیں تو آخر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ زبان سے تو آپ یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو شادی کرنا چاہیے - لیکن عملاً یہ حالت ہے کہ جہاں بچپن سے نسبت لگی ہوئی تھی، وہاں بیٹھے بٹھائے انکار کر دیا - اور نہ آئندہ کے لیے والدین کی کوئی امید چلنے دیتے ہیں -

یوسف - میں اپنے نقطۂ خیال کی شاید پوری توضیح نہ کر سکا - پروفیسر علیم کی رائے کی تائید کرتے ہوئے میں یہ کہہ رہا تھا کہ سوسائٹی کے لیے بحیثیت مجموعی اہل [illegible] [illegible] حالات سے [illegible] جسکے بغیر کوئی قوم [illegible] زندہ نہیں رہ سکتی - فرض کیجیے کہ ایک قوم ایسی ہے جو [illegible] القوم تجرد کی زندگی بسر کرتی ہے [illegible] الی غیر ذالک تو ایسی قوم کا رفتارِ حیات میں اس قوم سے پیچھا [رہنا؟] مطلوب ہے جس میں شادی کی رسم عام طور سے جاری ہے - کیونکہ [illegible] آپ کے درمیان بارہا گفتگو آچکی ہے - اجتماعی زندگی مشروط ہے انفرادی زندگی پر اور انفرادی زندگی کی فلاح اس میں ہے کہ رسم ازدواج کو [illegible] رکھا جائے لیکن

اس سے یہ نتیجہ تو کسی طرح نہیں نکلتا کہ ہر فرد کے لیے شادی کرنا لازمی ہے۔

خلیل - آپ کی یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی - ایک شے کو آپ ایک مجموعہ کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن خود ہی اسے اُسکے افراد کے لیے غیر ضروری بتاتے ہیں - سوسائٹی تو کوئی الگ شے نہیں، افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہے - پس جب افراد کے لیے فرداً فرداً شادی لازمی نہیں، تو اُسکے مجموعہ کے لیے، جسے آپ سوسائٹی کہتے ہیں، اسکی ضرورت کہاں سے ثابت ہو جائیگی؟ جو شے کُل پر صادق آتی ہے، ضرور ہے کہ اُسکے ہر جزو پر بھی صادق آئے - یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے -

یوسف - تعجب ہے کہ ایک سیدھی سی بات پر آپ کو ایسا موٹا مغالطہ ہوا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ جو شے کُل کے لیے لازمی ہے، وہ ہر جزو کے لیے بھی لازمی ہے! ...ل نے ... پر جو کچھ لکھا ہے اُسے اتنی جلد بھلا دیا؟ خیر یہ تو ایک دوسرا سوال تھا - میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا، کہ شادی افراد کے لیے بحیثیت افراد کوئی معنی ہی نہیں رکھتی - محض ایک مہمل شے ہے - لیکن چونکہ یہ رسم سوسائٹی کے لیے مفید ہے، لہذا افراد کو بحیثیت جزو سوسائٹی اسکی پابندی کرتے رہنا چاہیے - مگر اب فرض کیجیے، زید ایک فرد ہے جو فرائض زوجیت کو زیادہ خوبی سے انجام نہیں دے سکتا، یا یہ کہ وہ بحیثیت مجرد رہ کر سوسائٹی کو جس قدر فائدہ پہنچا سکتا ہے، اُس قدر متاہل ہو کر کبھی نہیں

پہونچا سکتا۔ تو ایسی حالت میں زید کے لیے شادی کرنا نہ صرف بیکار و غیر مفید ہے، بلکہ ایک صریح جرم ہے۔ کیونکہ شادی کر کے اس نے اپنے وجود کو سوسائٹی کے لیے کم مفید بنا دیا۔

خلیل - تو آپ کی تقریر کا ماحصل یہ نکلا کہ تعلقات تاہل تو ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ اور چونکہ اجتماعی ضروریات کو آپ بغیر نکاح کے بہتر طریقے پر پورا کر سکتے ہیں، اس لیے شادی کرنا آپ کے لیے جرم ہے۔

یوسف - بس بس، بالکل یہی میرا مطلب ہے۔

خلیل - اس خیال کے وجوہ و اسباب؟

یوسف - ایک کھلی ہوئی وجہ تو یہی ہے کہ میں اپنے علمی خدمات سے اگر دنیا کے کسی کام آسکتا ہوں تو مجرد ہی رہ کر۔ متاہل زندگی، علمی زندگی کے حق میں سم قاتل ہے۔ آج بیوی کی طبیعت نادرست ہے، کل بچہ بیمار ہے۔ بیوی زیورات کے لیے ضد کر رہی ہیں، بچہ کھلونوں کے لیے مچل رہا ہے۔ غرض شادی کر کے سیکڑوں جھگڑے آدمی کے سر لگ جاتے ہیں۔ غم نداری بز بخر۔ ایسی حالت میں میں تو کم از کم اپنے دماغ کو کسی گہرے کام کے قابل نہیں پاتا۔

خلیل - ایک اور سوال کر کے اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ کیا آپ کے نزدیک مرد و افراد کے ذاتی جذبات اس معاملے میں کوئی وزن نہیں رکھتے؟

یوسف - "نہیں رکھتے" یا "نہیں رکھنا چاہیے"؟ رکھتے تو بہرحال ہیں لیکن

ثبوت آپ اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انکا وزن ہونا چاہیئے نہیں۔

خلیل - تو صاف الفاظ میں یہ کہیے، کہ تقاضائے جنسیت جو فطرت نے انسان میں ودیعت کر رکھا ہے ایک بےمعنی شے ہے اور عشق و محبت کے زوجی الفاظ مہمل ہیں؟

یوسف - بیشک، گو حیوانیت کے نقطۂ خیال سے اعلیٰ و افضل لیکن انسانیت کی عینک سے دیکھیے تو پست و مہمل -

خلیل - یہ کیا، ذرا اسے اور صاف کیجیے -

یوسف - میرا مطلب یہ ہے کہ حیات حیوانی میں بےشبہ جذبۂ جنسی کا درجہ نہایت اہم و ضروری ہوتا ہے - کیونکہ اُسوقت تک احساس فرض شناسی ہو ہی نہیں سکتا - اور اگر افراد پر اس جذبہ کی حکومت نہ ہو تو نسل جاری ہی نہ رہ سکے - لیکن انسان جوں جوں مرتبۂ انسانیت میں ترقی کرتا جاتا ہے، اُسی نسبت سے اُسے جذبات کی قید سے آزاد ہوتے رہنا چاہیے، اور اپنی زندگی کو صرف عقل کی دکھائی ہوئی شاہراہ فرض پر چلانا چاہیے - رہا عشق و محبت، تو اسکے افسانے میں فسانے بھی بہت سے ہیں - دیکھیے انسان کی زندگی حقائق سے کسقدر دور ہو کر پیچیدہ ہو گئی ہے کسقدر رنگین رہتی ہے بچپن میں بھوت پریت دیو جن کے افسانے سنتے رہے مگر جب عشق و محبت حسن و جمال میں ڈوبے ہوؤں کے افسانوں سے طبیعت بہلانے لگے - نیت کے

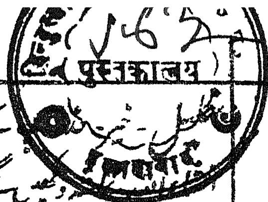
کے دن آئے تو یہ ورق بھی اُلٹ دیا۔ اب کیا ہے؟ اب بہشت و دوزخ، حور و غلمان، جبرئیل و عزرائیل کے چرچے ہو رہے ہیں۔ غرض ساری عمر انہی خرافات پرستی میں گزر جاتی ہے، اور کبھی بھولے سے بھی نہیں خیال آتا کہ یہ سب مزخرفات ایک ہی داستان کی مختلف حکایتیں ہیں۔ اصلیت نہ اُنکی نہ اُنکی۔ ہاں عشق کے متعلق مولانا حالی کی رباعی آپ نے سُنی ہے؟

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا | یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر | اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

کیا اچھی ماہیتِ عشق بیان کردی ہے۔ اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا۔

خلیل - درست ہے!

یوسف - اصل یہ ہے کہ جن دماغوں کو کسی اعلیٰ و بہتر قسم کی مصروفیت میسر نہیں ہوتی۔ یا اُن میں اُن مصروفیتوں کی قابلیت نہیں ہوتی وہ لامحالہ جذبات بیہودہ کی سیری میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن جن کی تربیت ان کو ابتدائی جوانی سے لا مذہب و لاقید بنا دیتی ہے۔ ان کی طبیعت اِدھر نہیں بہکتی ہے۔ اُن میں ایسے خیالات کا گزر ہی نہیں ہوتا۔ میرے بھائی صاحب والا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری ناچیز کوششیں علم کی ترقی و اشاعت میں کچھ بھی کام آسکیں تو میرے لیے بہترین مشورہ یہ ہے کہ میں شادی و دنیا داری کے جنجال میں نہ پڑوں۔ ان جھگڑوں میں پڑ کر میں اپنی توجہ کو یکسو نہیں رکھ سکتا۔ اور بغیر یکسوئی کے اب تک تو کسی نے کچھ کام لیا نہیں ہے۔



... کے اِن خیالات کو مبارک کرے۔ زندگی ہے تو ہم بھی ... دیکھیں گے کہ یہ خیالات کب تک قائم رہتے ہیں۔ (گھڑی دیکھ کر) اُفوہ، باتوں میں وقت ہی نہیں معلوم ہوا۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔ کل پھر ملاقات ہوگی۔ تسلیم۔

(جاتا ہے)

یوسف۔ تسلیم

(نواب باقر حسین کا آدمی داخل ہوتا ہے)

نوکر۔ سرکار نے آپ کو یاد کیا ہے۔ کہا ہے کہ فرصت ہو، تو گھڑی بھر کو آجائیے۔ کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔

یوسف۔ اچھا، تم چلو، میں ابھی آیا۔ (دونوں دو مختلف راستوں سے جاتے ہیں)

سین (۲)

(نواب باقر حسین کا زنانہ مکان۔ گھر کی عورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ یوسف داخل ہوتا ہے)

یوسف۔ آداب عرض ہے۔

باقر حسین۔ واہ، میاں یوسف ہیں۔ آج تو مدت ورانہ کے بعد دکھائی دیے ہو اور وہ بھی میرے بلانے سے آئے ہو۔ آخر ہم لوگ بھی تمہارے عزیز ہیں یا نہیں؟ اور اب تو تم ماشاءاللہ بی۔ اے کے امتحان میں پاس بھی ہو گئے ہو۔ اب کس شے میں مشغول رہتے ہو۔ کل تمہارے والد سے بھی ملاقات ہوئی تھی، وہ کہتے تھے تم خود اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہو کہیں نہیں جاتے ہو۔ آخر ہم نے بھی کہ اب تمہیں بلا کر

لیکن یہ کبھی نہیں کیا کہ پڑھنے کے پیچھے گھر بار کو بھول جائیں۔ اور دیکھو اس محنت کا تمہاری صحت پر کیسا اثر پڑ رہا ہے۔ کس قدر دُبلے ہو گئے ہو!

یوسف - بجا ہے؟

باقر حسین - بجا ہے کیا معنی؟ کیا تم کو اس میں شک ہے؟ خیر اسکے جواب کی تکلیف نہ گوارا کرو۔ یہ بتاؤ، کہ تم نے میرے جدید تقرر کا حال تو سُنا ہو گا۔

یوسف - کیسا تقرر؟ مجھے بالکل خبر نہیں۔

باقر حسین - عجب آدمی ہو۔ معلوم نہیں کس دنیا میں رہتے ہو سارے شہر کو خبر ہو گئی۔ بچہ بچہ جان گیا۔ اخبارات میں شایع ہو گیا، اور تمھیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ کتابوں میں پڑ کر ایسے بیخبر ہو جاتے ہو، کہ کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔ مہاراجہ راجگڑھ نے مجھے اپنی وزارت کے لیے طلب کیا ہے۔ انکی ریاست کی بدانتظامیوں کو دیکھ کر لاٹ صاحب نے عرصہ ہوا، انھیں لکھا تھا کہ ہم تمھیں ایک نہایت ہوشیار و تجربہ کار وزیر دے سکتے ہیں جس نے اپنی جائداد کا بہتر سے بہتر انتظام کیا ہے۔ یہ سُن کر مہاراجہ صاحب پھڑک گئے، اور مجھے دو ہزار ماہوار کے مشاہرہ پر طلب کیا ہے۔

یوسف - خوب - تو پھر کب تک تشریف لیجانے کا قصد ہے؟

باقر حسین - پہلی کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ انکو تار دیدیا ہے۔

یوسف - بہتر ہے۔

باقر حسین - میں نے تم سے اسکا ذکر اس لیے کر دیا، کہ تمھارا جی چاہے تو میرے ہمراہ چلو - راجگڈھ کی آب و ہوا و موسم کا کیا کہنا، جنت نظیر خطہ ہے نینی تال شملہ اُسکے آگے گرد ہیں - وہاں چلنے سے تمھاری تفریح بھی ہو جائیگی، اور ذرا سیر بھی کرنا یہاں خالی کتابوں کو لیے پڑے رہتے ہو -

یوسف - خالی تو میں آجکل بالکل نہیں ہوں - آپ کو شاید اسکا علم نہیں ہوا کہ گورنمنٹ نے سو روپے ماہوار کا وظیفہ پانچ سال کے لیے اس شرط پر دیا ہے کہ میں بیالوجی کے کسی مسئلے پر ایک اوریجنل مضمون تیار کروں - مجھے جو کچھ نوٹ لینا تھے یہاں کی لائبریری و لیبوریٹری سے لے چکا - اب زیادہ وقت انکی ترتیب میں صرف ہوگا - راجگڈھ میں نسبتًہ تنہائی ہوگی، یہاں تو احباب و اعزہ کی خاطرداری میں بہت وقت ضائع ہو جاتا ہے - اس لیے تعمیل ارشاد میں مجھے عذر نہیں -

باقر حسین - اچھا - اچھا - یہ بہت خوشی کی بات ہے - بس اب اپنا سامانِ سفر درست کرو - مجھے اس وقت کمشنر صاحب کے یہاں جانا ہے (یوسف اُٹھتا ہے) ہاں ایک بات تو تم سے کہنا رہ ہی گئی - راجگڈھ کا قیام تمھارے لیے ہو سکے اور بھی دلچسپ ہوگا، کہ وہاں مشرف کے اتالیق، ڈاکٹر لے، جیسے بھی ہوں گے وہ آجکل رخصت پر گئے ہوئے ہیں، وہیں راجگڈھ میں آکر ملیں گے - تمھیں شاید اُن سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا - نہایت قابل آدمی ہیں - انکی قابلیت کا اندازہ اسی سے کر سکتے ہو، کہ سالہا سال علیگڈھ کالج میں بسر کیے ہیں - کیمبرج کے

گریجویٹ ہیں - ڈاکٹر کیمبرج کے ایل ایل - ڈی ہیں - طریقۂ تعلیم ان کا بالکل جرمن
اصول پر ہے - یعنی کتابی خواندگی کم اور زبانی تعلیم زیادہ - تم ان سے
مل کر بہت خوش ہوتے - لوگوں نے مشرف کو بدنام کرنا چاہا تھا - یہ مشہور
کر دیا تھا کہ خدانخواستہ وہ فاتر العقل ہے - مگر جب سے میں نے ان ماسٹر
صاحب کو رکھ دیا ہے، ماشاء اللہ اسکی ذہانت پر جلا ہو گئی ہے - حسنیٰ کو تم
جانتے ہو، ماشاء اللہ کیسی تیز و ذہین ہے - یہ بہت افسوس کی بات ہوتی، اگر
اسکا شوہر کوئی نالائق یا غبی ہوتا، مگر خوش قسمتی سے مجھے مشرف سا لائق داماد
مل جاتا ہے - مشرف، حسنیٰ وغیرہ سب لڑکے لڑکیاں میرے ہمراہ ہوں گی -
اور مشرف ہی کے سبب سے انکے اتالیق صاحب بھی ہمراہ رہینگے - تم جانتے
ہو میں کس قدر آزاد خیال واقع ہوا ہوں - بھلا ہمارے یہاں کا کوئی شریف
اسے گوارا کریگا کہ شادی کے قبل لڑکی اپنے منگیتر کے سامنے بے پردہ آتی جاتی ہے
لیکن مجھے دیکھو کہ میں نے کسی کے طنز و تشنیع کی پروا نہیں کی - حسنیٰ و مشرف
میں کوئی پردہ نہ رکھا - اور یہاں تو تمہیں بھائی جان و بھابھی جان کا بہت کچھ
لحاظ کرنا پڑتا ہے - وہاں رامگڈھ میں دیکھنا، مجھے ہر طرح پر آزادی حاصل
ہوگی - یہ معنی ہیں روشن خیالی کے - یہ نہیں کہ آدمی سیکھے سب کچھ، مگر عمل کے
نام سے خیر سلا -

یوسف - بہتر ہے - تسلیم -   [جاتا ہے - پردہ گرتا ہے]

سین (۳۴)

[راجگڈھ میں عشرت اور اُنکے ماسٹر ایک کمرے میں بیٹھے ہیں۔ یوسف کے آنے کی اطلاع ہوتی ہے]

ماسٹر۔ خدمتگار سے جو کارڈ لایا تھا) اچھا سلام دو۔ (یوسف داخل ہوتا ہے)

یوسف۔ تسلیمات۔

ماسٹر۔ سلام علیکم۔ آپ تشریف رکھیے۔ آپ کو کوئی خاص کام ہے؟

یوسف۔ جی نہیں کوئی خاص کام نہیں، بجز اسکے کہ نواب صاحب نے آپکی قابلیت کی خاص تعریف کی تھی۔ اسی سے میں بھی مشتاق ہوکر آپکی ملاقات کیلیے چلا آیا۔

ماسٹر۔ آپ نے کچھ ایجوکیشن (تعلیم) پایا ہے؟

یوسف۔ جی۔ بی۔ اے۔ پاس کیا ہے۔

ماسٹر۔ یہیں انڈیا (ہندوستان) کے کسی کالج سے؟

یوسف۔ جی ہاں۔ ہارڈنگ کالج خلدآباد سے۔

ماسٹر۔ افسوس ہے، کہ انڈیا کا ایجوکیشنل سسٹم (نظام تعلیم) اتنا خراب ہے کہ ہم یہاں کے کسی بی۔ اے، ایم۔ اے کو ایجوکیٹڈ (تعلیم یافتہ) نہیں کہہ سکتا۔

یوسف۔ ہاں نقائص اور بکثرت نقائص کے موجود ہونے سے تو مجھے بھی انکار نہیں۔ لیکن اس سے اتنا وسیع نتیجہ نکالنا شاید صحیح نہ ہو۔

ماسٹر۔ کیا آپ اس پوائنٹ (مسئلہ) پہ مجھ سے ڈسکس (بحث) کرسکتا ہے جبکہ آپ جانتا ہے کہ آپکے یہاں اورینٹل لینگویجز (مشرقی زبانیں) کمپلسری (لازمی) ہیں

یوسف - اولاً، تو یہ واقعہ نہیں، کہ مشرقی زبانوں کی تحصیل ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں لازمی ہے - دوسرے ابھی مجھے یہ سمجھنا باقی ہے، کہ مشرقی زبانوں کی تحصیل انسان کو تعلیم یافتہ بنانے کے منافی ہے -

ماسٹر - او - آپ کے خیالات کیسے تنگ و تاریک ہیں - آپ ہرگز اُردو - فارسی عربی، سنسکرت سے ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتے - دنیا میں اب تک جتنے گریٹ مین (بڑے لوگ) گزرے ہیں سب کی یہی رائے تھی -

یوسف - مجھے بدقسمتی سے ایسے بڑے لوگوں کے نام سے واقفیت ہے ہے، نہ اُنکے دلائل سے -

ماسٹر - سرسید، ملٹن، نپولین، نیوٹن، سب کی یہی رائے تھی - ان لوگوں کا نام شاید انڈین یونیورسٹیز میں کبھی نہیں آتا -

یوسف - یہ جناب نے کیا ارشاد فرمایا - ملٹن و نیوٹن کو اس بحث سے کیا تعلق نے وے کے ایک سرسید کا نام البتہ اس بحث میں لیا جا سکتا ہے، لیکن جناب فرمائیں، کہ اُنھوں نے اپنی کس تحریر میں یہ رائے ظاہر کی ہے -

ماسٹر - او - آپ کیا کہتا ہے - میں سرسید کا خاص پرائیوٹ دوست تھا، مجھے انکے ورکس (تصانیف) کے پڑھنے کی کبھی ضرورت نہیں پیش آئی -

یوسف - جناب علیگڈھ تشریف کس زمانہ میں رکھتے تھے ؟

ماسٹر - ۱۸۹۹ء (سنہ ۱۸۹۹) سے ۱۹۰۵ء (سنہ ۱۹۰۵) تک -

یوسف ۔ تو شاید سرسید کی روح سے آپ کی دوستی ہوگی ۔ کیونکہ وہ تو ۱۸۹۹ء میں زندہ نہ تھے ۔ اور ہاں، جناب نے وہاں تعلیم کس درجے میں پائی؟ بی۔ اے، وہیں پاس کیا؟

ماسٹر ۔ او ۔ نو ۔ کسی انڈین یونیورسٹی سے بی ۔ اے کرنا بیکار تھا ۔ میں نے وہاں اسکول میں پڑھا ۔ سکستھ کلاس (چھٹے درجے) سے ایتھ (آٹھویں) تک ۔

یوسف ۔ ماشاء اللہ ۔ اور کیمبرج سے بی ۔ اے، کس مضمون میں کیا؟

ماسٹر ۔ وہاں کے لوگ جس سبجکٹ (مضمون) کو سب سے زیادہ مشکل سمجھتے تھے اُس میں، یعنی اُردو میں ۔

یوسف ۔ بجا ارشاد ہوا ۔ تو اس میں آنرز حاصل کیے ہونگے؟

ماسٹر ۔ نہیں ۔ میں نے خالی "پاس" لینا کافی سمجھا ۔ عقلمند آدمی کبھی کسی چیز کا زیادہ لالچ نہیں کرتا ۔ علم بھی ایک دولت ہے ۔ کبھی اسکا زیادہ لالچ نہیں کرنا چاہیے ۔

یوسف ۔ کیا خوب ارشاد ہوا ۔ اور جناب نے یہ ال ۔ ال ۔ ڈی کی ڈگری کہاں سے حاصل کی ہے؟

ماسٹر ۔ یہ امریکہ کی آنریری ڈگری ہے ۔

یوسف ۔ کسی علمی خدمت کے صلے میں؟

ماسٹر ۔ او ۔ آپ کس طرح کی بات کرتا ہے؟ جب ہم نے بی اے کرلیا، اور اسکے بعد امریکہ کی ایک پرائیوٹ یونیورسٹی کو پانچ سو روپیہ بھیج دیا، تو صاف معلوم ہوگیا،

کہ ہم یونیورسٹی سٹیٹمنز (یونیورسٹی کے معاملات) میں پورا انٹرسٹ (دلچسپی) لیتا ہے۔
اور اسی پر ہمکو ایل۔ ایل۔ ڈی کا آنریری ڈگری مل گیا۔

یوسف (علیحدہ) افسوس دنیا کس قدر ظاہر پرست ہے اور اسکو دھوکا دینا کس قدر آسان ہے! ایک شخص جہالت کا پتلا ہے۔ اور انگلینڈ، کیمبرج اور کیمبرج کے نام سے دنیا کو مرعوب کیے ہوئے ہے! (آواز سے) آپ تو ذرا کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ واقعی آپ تو عجیب و غریب اوصاف کا مجموعہ ہیں۔ اچھا، یہ تو فرمائیے کہ یوں تو جناب کو تمام علوم و فنون پر عبور ہوگا، مگر کس مضمون سے خاص طور پر دلچسپی ہے؟

اصغر۔ یہ آپ نے ٹھیک کہا۔ ہم کو ہر سبجکٹ (مضمون) سے انٹرسٹ (دلچسپی) ہے، لیکن ہمارے اسپیشل انٹرسٹ (خاص دلچسپی کا سبجکٹ) ایجوکیشن (تعلیم) ہے۔ آپ ہمارا حال سنئے، اس طرح پر ہے، کہ ہمارا ماموں آنریری اسسٹنٹ کلکٹر تھا۔ اس نے بہت سا روپیہ کمایا تھا۔ اسنے ہمکو بیرسٹری کے لیے لنڈن بھیجا۔ ہم کئی برس یورپ میں رہا، اور لنڈن، پیرس و برلن کی خوب سیر کیا، لیکن امتحان میں کبھی شریک نہیں ہوا۔ کئی برس بعد ہم نے کیمبرج یونیورسٹی جوائین (شریک ہوا) کیا، اور وہاں سے اردو میں بی۔ اے، پاس کی ڈگری لیا۔ اتنے میں ہمارے ماموں پر برایبری (رشوت) کا کیس (مقدمہ) چل گیا۔ وہ اس سے آخر کو چھوٹ گیا، لیکن سارا روپیہ ڈفنس (اپنی بریت) کے بیرسٹرز کو دے دینا پڑا۔

تب ہم کو انگلینڈ سے لوٹنا پڑا - پھر ہم نے امریکہ کی ایک پرائیوٹ یونیورسٹی کو ۵۰۰ روپیہ بھیجکر ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری لی - پھر ہم نے ایجوکیشنل سروس (صیغۂ تعلیم) میں آنا چاہا، لیکن یہاں کا انگریزی لوگ امریکہ سے بہت جلتا ہے - وہاں کی ڈگری کو بوگس (فرضی، مصنوعی) ڈگری بتاتا ہے - اسکے بعد ہمارے ماموں نے ہم کو انسپکٹر جنرل پولیس سے انٹروڈیوس (ملادیا) کرادیا - اُسکی میم کا ایک دفعہ اُنھوں نے جان بچایا تھا - وہ اُنکو بہت مانتا تھا - اُس نے ہم کو سال بھر کے لیے اس کنڈیشن (شرط) پر، کہ ایک سال کے بعد یہ جگہ پیڈ (باتنخواہ) ہو جائیگی آنریری انسپکٹر پولیس کر دیا - ہم کو شکار کا بہت شوق ہے - ہم ایک دفعہ شکار کر رہا تھا، سامنے ہم کو ایک ڈارک آبجکٹ (سیاہ چیز) ہلتا ہوا معلوم ہوا - ہم سمجھا کہ سُور ہے، اور فیر کر دیا - جب وہ چلایا، تو معلوم ہوا، کہ وہ ڈارک آبجکٹ (سیاہ چیز) سُور نہیں، کالا آدمی تھا - کسی راجہ کا گراسکٹ (گھسیارہ) تھا - ہم نے اُسکی عورت کو چار سو روپیہ دیکر چپ کر دیا - پھر ایک دن یہ ہوا کہ ہم نے اپنے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی، جنھوں نے اس کیس (معاملہ) کو ہش اپ (دبا دیا تھا) کر دیا تھا، شکریہ میں دعوت کی۔ جب وہ کھانے پر آئے، تو ہم نے سب آدمیوں کے سامنے اُنسے کہدیا، کہ آپ کا ٹائی بہت میلا ہے، ہم ایسے آدمی کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتا - اسپر وہ خفا ہو کر چلا گیا، اور ہماری رپورٹ کر دی - تب سے ہم نے وہ نوکری چھوڑ دیا اور اب یہ پڑھانے کی نوکری کرتا ہے - آپ نے ہمارے بڑے بھائی مسٹر لے کے۔ اکبر کا نام سنا ہوگا - وہ بہت

مشہور آدمی ہے۔ وہ کلکتہ ہائیکورٹ میں بیرسٹری کرتا تھا، اور وَن تھاوزنڈ (ایک ہزار) ماہوار کا انکم (آمدنی) رکھتا تھا۔ لیکن ہمارے ماموں سے لاٹ صاحب نے ایک روز کہا کہ "جو رسپکٹ (عزت) گورنمنٹ سروس (سرکاری ملازمت) میں ہے، وہ بیرسٹری میں نہیں۔ آپ کا بھانجا اگر گورنمنٹ پلیڈری (سرکاری وکالت) کرلے، تو ہم اُسکو دو برس کے اندر چیف جسٹس کر دیگا"۔ تب سے وہ بیرسٹری چھوڑ کر اودھ میں گورنمنٹ پلیڈری کرتا ہے۔ اب وہ ہنڈرڈ ٹونٹی فایو (ایک سو پچیس) ماہوار کماتا ہے۔ لاٹ صاحب کے جمعدار سے اُس نے بہت دوستی پیدا کرلیا ہے۔ ہر سنڈے (اتوار) کو اُس سے ملنے آتا ہے۔

یوسف۔ تو یہ کہیے "این خانہ تمام آفتاب ست"۔ تو آپ نے اپنی اور اپنے خاندان کی بہت ہی دلچسپ سوانحعمری بیان فرمادی۔ نواب صاحب کو غالباً جناب کے ان کمالات و خاندانی خصوصیات کا علم نہیں۔ ہاں، یہ تو فرمائیں، کہ جناب اپنی گفتگو میں انگریزی الفاظ کا اس قدر اسراف بیجا کیوں کرتے ہیں؟

مسٹر۔ او۔ آپ کے سامنے تو ہم بہت کم انگلش ورڈز (انگریزی الفاظ) بولا۔ پہلے ہمارا یہ عادت تھا، کہ ہم چپراسی، کانسٹبل، چوکیدار، سب سے انگریزی میں بات کرتا۔ جب کبھی کہ وہ نہیں سمجھتا، تب اُردو میں اُسکا ترجمہ کردیتا۔ البتہ مشرف سے بات چیت کرنے میں ہمیں بالکل اُردو بولنا پڑتا ہے، وہ ابھی انگریزی کا ایک لفظ نہیں جانتا۔

یوسف۔ ناگوار نہ ہو تو یہ بھی بیان فرما دیجیے کہ جناب کا اسم مبارک کس زبان کا لفظ

ہے اور اسکے کیا معنی ہیں؟

ماسٹر ۔ او۔ آپ مینرز (آداب تہذیب) بالکل نہیں جانتا، جو کسی سے اسکے پرائیوٹ (خانگی) حال پوچھتا ہے۔ اچھا، ہم آپ کو یہ بھی بتائے دیتا ہے۔ ان باپ نے ہمارا نام عبدالباسط رکھا تھا۔ انگلینڈ میں ہم کو ایک اٹالین مسیڈ (خادمہ) کے ساتھ محبت ہو گیا۔ بہت آدمی محبت میں اپنا ریلجن (مذہب) بدل دیتے ہیں۔ ہم نے اپنا نام بدل کر اٹالین کر دیا۔ اس طرح کہ "باسط" کو "بیسٹی" اور "عبدل" کو "الما" کر دیا۔ اب سب لوگ اسے بیسٹی کہتے ہیں۔

یوسف ۔ ماشاءاللہ۔ کیا خوب اُستاد اور کیا خوب شاگرد ہیں۔ اچھا اب بہت دیر ہو گئی۔ رخصت ہوتا ہوں۔ لیکن ماسٹر صاحب، آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپکی وجہ سے میرے تجربات میں اس قدر اضافہ ہو گیا۔ تسلیم ۔ (جاتا ہے)

[ایک خدمتگار دوڑا ہوا آتا ہے]

خدمتگار ۔ یہاں میاں یوسف تو نہیں ہیں؟

ماسٹر ۔ کیوں خیر تو ہے؟

خدمتگار ۔ اسوقت بٹیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ سر میں درد تو صبح سے تھا، لیکن اسوقت بہت تیز ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی دوائی دفعہ لگا چکی ہیں، مگر کچھ آرام ہی نہیں ہوتا۔ سرکار نے حکم دیا کہ میاں یوسف کو بلا لاؤ۔ وہ کوئی عمل جانتے ہیں: اکمریزم، مسمریزم کچھ ایسا ہی نام ہے، شاید اس سے آرام ہو جائے۔ سنتے

ہیں اُس سے بیماری فوراً اُتر جاتی ہے۔

مشرف - اُنھ، ہوگا بھی - جاؤ یہاں یوسف دوست کہاں۔

ماسٹر - چلو، مشرف، گھوڑدوڑ میں چلیں۔ وقت آگیا۔ کہو آج بازی لگانے کے لیے کتنا روپیہ ہے؟

مشرف - آج تو کچھ بھی نہیں، کوئی پانچ ہزار ہوگا۔

ماسٹر - خیر کیا ہرج ہے، ابھی تو گھوڑدوڑ کئی روز رہیگی۔ آج پہلا دن ہے۔

(دونوں جاتے ہیں)

سین (۴)

[باقر حسین کے مکان کا ایک حصہ۔ ایک طرف سے ایک خدمتگار دوسری طرف سے انا آتی ہے]

خدمتگار - کہو، بُوا غفورن۔ اب تو بٹیا کی طبیعت بحال رہتی ہے نہ؟

غفورن - ہاں رمجانی (رمضانی) اب تو اللہ کا فجل (فضل) رہتا ہے۔ ایسی نیک لڑکی تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔

رمضانی - ہاں، مجاز (مزاج) تو بہت ہی اچھا ہے، اپنے بھی دل سے دعا نکلتی ہے کہ پروردگار انھیں خوش رکھے۔ لیکن بُوا، ایک بات کہوں جو بُرا نہ مانو۔

غفورن - کہو۔

رمضانی - نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے، تم بُرا مان جاؤگی۔

غفورن - نہیں۔ میں نہیں بُرا مانونگی، تو کہہ تو۔

رمضانی ۔ اچھا ۔ ادھر آؤ تو کان میں کہوں۔ (سرگوشیاں کرتا ہے)
غفورن (غضب آلود حیرت کے ساتھ) ارے یہ یوسف! دیکھنے میں کیا نیک کمبخت (نیکبخت) معلوم ہوتا تھا۔ اللہ اسکو گارت (غارت) کرے، جو میری بیٹی کو بُری نظر سے دیکھے۔ لیکن رمضانی مجھے اب تک اس بات کا ایکین (یقین) نہیں آتا۔ اگر کہیں یہ گلت (غلط) نکلی، تب ؟
رمضانی ۔ مجال تھی جو اتنی بڑی بات میرے منہ سے خلاف نکل سکتی۔ قسم اللہ کی غفورن بُوا، جب اپنی آنکھوں دیکھ لیا، تب تمھارے آگے زبان کھولی۔ بھلا جب اشرافوں نے یہ حرکتیں شروع کر دیں، تو ہم لوگوں کو کون بُرا کہہ سکتا ہے ؟
غفورن ۔ اچھا، اب اس وکت (وقت) تو بیگم صاحبہ کے پاس مجھے بڑی جلدی ہے۔ تھوڑی دیر میں آؤنگی، تب کھلاصہ (خلاصہ یعنی مفصل) باتیں ہونگی ۔ میرے تو جیسے ہوش اُڑے جاتے ہیں ۔
رمضانی ۔ بات ہی ایسی ہے

[دونوں جاتے ہیں] [یوسف آتا ہے]

[نواب باقر حسین کے مکان کا کوئی حصہ]

یوسف (ٹہل ٹہل کر گاتا ہوا نظر آتا ہے)
شورشِ جوشِ جنوں اب جلوہ دکھلانے کو ہے ۔ یعنی جو کچھ دل میں تھا اب سب بیاں ہونے کو ہے
رخصت اے ضبط، تجھی الوداع اے پاسِ شمع ۔ بند شوں سے اب زباں آزاد ہو جانے کو ہے

ہچکی صبر و سکون و خامشی کی انتہا ۔۔۔ جامِ ضبطِ آہ و نالہ اب چھلک جانے کو ہے
یہ مبارک تم کو اے اہلِ تماشا، سیر ہو ۔۔۔ دستِ بسمل سے عنانِ صبر چھٹ جانے کو ہے
خوب کر مشقِ جفا، لیکن ستمگر یہ بھی سوچ ۔۔۔ کیا وفا کیشی کا جذبہ اب کے مٹ جانے کو ہے
بے ادب لب اُنسے کچھ کہنے کو ہیں پیچ و مضطر ۔۔۔ اُنکے چہرے پر حیا کی پھر جھلک آنے کو ہے
سچ بتا، ناظرؔ، مسرت تجھکو اتنی کیوں ہے کیا ۔۔۔ اُنکی محفل میں کوئی تیری غزل گانے کو ہے

یوسف، یوسف، کیا میں وہی یوسف ہوں جو آج سے دو ہفتے پیشتر تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اگر میں وہی ہوتا، تو اسوقت اپنے تئیں کسی علمی صحبت یا خلوتکدہ میں پاتا۔ یہاں اسوقت یہ عاشقانہ اشعار پڑھتا ہوا نہ ہوتا۔ یہ آخر کیا بات ہوئی؟ کسی نے مجھپر سحر کر دیا؟ کسی سخت مرض نے مجھے گھیر لیا؟ نہیں، یہ کچھ بھی نہیں۔ پھر آخر کیا ہے؟ ٹھہرو، میں خود، علامات کی مدد سے اپنے مرض کی تشخیص کروں گا۔ سب سے بڑا تغیر اپنی حالت میں میں یہ پاتا ہوں، کہ پہلے جن مشاغل میں میں ہمہ تن مصروف و منہمک رہتا تھا، جنکے لیے ہر طرح کا عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اور جن مشاغل میں انہماک کے آگے مجھے نہ موسم کی تکلیف ستاتی تھی، نہ بھوک پیاس کی۔ اب اُنھیں مشاغل کی طرف سے طبیعت اُچاٹ ہو گئی ہے۔ سائنس کے مسائل کی تحقیقات کو میں نے اپنا مقصدِ زندگی بنایا تھا، اور کل تک اُنکی اُدھیڑ بن میں نہ رات کو رات سمجھتا تھا، نہ دن کو دن۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ گھنٹہ دو گھنٹے بھی اپنی توجہ اُن پر یکسوئی کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتا۔ پھر آخر وہ کونسی شے ہے

جمتا ہے؟ ایک صورت پر؟ کس کی صورت پر؟ عزیزہ محبوب حسنیٰ کی صورت پر۔ یہ صورت میرے لیے کوئی نئی نہیں۔ اس سے پیشتر میں نے بارہا دیکھا تھا لیکن یہ جذبہ جو اب پیدا ہوا ہے میرے لیے بالکل نیا ہے، بالکل انوکھا ہے۔ پھر صورت کی دلکشی پر غور کرتا ہوں، تو بھی کوئی غیر معمولی خوبی ذہن کے سامنے نہیں آتی۔ اعضا کا تناسب، جسم کی نزاکت، اطوار کی نفاست، ان میں سے الگ الگ کوئی شے ایسی نہیں نظر آتی، جسکے لحاظ سے حسنیٰ یگانۂ روزگار ہو۔ مگر پھر یہ کیا ہے کہ یہ سمجھنے کے باوجود بھی، حسنیٰ کی طرف اپنے میں ایک خاص کشش، ایک غیر معمولی میلان پاتا ہوں؟ کچھ عقل ہی نہیں کام کرتی۔ لیکن آخر، میں چاہتا کیا ہوں؟ صرف یہ کہ ہر وقت حسنیٰ سے یکجائی رہے۔ ہر وقت اُسکی صورت میرے پیش نظر رہے۔ میں اُس سے کسی وقت بھی جدا نہ ہوں۔ کیا یہ میری خواہش، اخلاقی، شرعی، قانونی، کسی حیثیت سے معیوب ہے؟ مجھے تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن کیا مجھے اس خواہش میں کامیاب ہونا ممکن ہے؟ کیا ایسی کوئی صورت نکل سکتی ہے، کہ میرے اور حسنیٰ کے درمیان ایک ناقابل انفصال وابستگی قائم ہو جائے؟ اسکی صورت عقد ہے۔ تو کیا میں عقد کر لوں گا؟ کیا شادی کر کے خانگی زندگی کے جھگڑوں میں پڑ جاؤں گا؟ کیا میں جس شے سے ہمیشہ بچتا رہا، اب مجبوراً اُس میں پڑنا پڑیگا؟ میں شادی کو اپنے لیے جرم سمجھتا تھا، تو کیا اب اُس جرم کا مرتکب ہوں گا؟ کیا فطرت نے میرے غرور کو توڑنے کے لیے یہ سامان اکٹھا کر دیا ہے؟ نہیں اے فیاض و

رحیم فطرت! رحم - مجھ پر رحم! مجھے ان مصائب میں نہ ڈال - ان آفتوں میں نہ پھنسا - میں انھیں نہیں جھیل سکتا - میرے پیر میں بیڑیاں نہ پہنا، میں انھیں نہیں اٹھا سکتا - مگر میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ مجھے ان آفتوں میں کون پھنسا رہا ہے؟ میں خود ہی تو دانستہ اس آگ میں کود رہا ہوں، اور خود ہی فریاد کرتا ہوں کہ "مجھے بچاؤ" "مجھے بچاؤ" - اچھا، اب میں کو متنبہ کر کے اس طرف سے اپنی طبیعت ہٹائے لیتا ہوں - لیکن کیا میں اس پر قادر ہو سکوں گا؟ افسوس کہ مجھ میں اعتماد نفس نہیں رہا - پہلے مجھے اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی قوت پر بھروسہ تھا - لیکن اب میں اپنی شکست کا اعتراف کرتا ہوں - اے جذبات نفسانی! میں نے تمہاری قوت کو ہمیشہ ذلیل سمجھا - میں تمہارے سامنے اپنے دل و دماغ کو بے حس پاتا تھا، لیکن یہ کیا ہے کہ میری عقل تمہارے پہلے ہی حملے میں مغلوب ہو گئی؟ کیا، واقعی انسان کی عقل ایسی ہی بودی شے ہے؟ افسوس یہ مسئلہ آج میری سمجھ میں آیا - دلائل کی مدد سے نہیں، ذاتی تجربے سے - کتابوں کے مطالعہ سے نہیں، آپ بیتی سے - او مغرور و بد خود غلط انسان! کیا تیری انسانیت و شائستگی، فرزانگی و تدبر کی یہی بساط ہے؟ اے عشق و محبت کی پاک و مجرد ہستیو! میں نے تمہاری شان میں ہمیشہ گستاخی کی، تمھیں ہمیشہ بے حقیقت سمجھا، تمہارے وجود سے ہمیشہ انکار کیا، لیکن اب حقائق زندگی یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں، کہ حقیقی وجود تمہارا ہی ہے - ایسی قوت جو انسان سے کام لے سکے، وہ

صرف تمہید ہیں یہ۔ عقل، علم، فلسفہ، منطق، یہ سب الفاظ ہیں، جو صرف کتابوں میں لکھے جانے کے قابل ہیں، برتنے کے لائق نہیں۔ ہاں میں پھر بہکا جاتا ہوں۔ حسنیٰ، عزیزہ حسنیٰ کا تصور کرتے کرتے کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ حسنیٰ، کیا تو مجھے میری خواہش میں کامیاب ہونے دیگی! ہا۔ہا۔ یہ کس قدر طفلانہ خیال ہے، کہاں حسنیٰ، کہاں میں! دولت و افلاس کا کہیں جوڑ مل سکا ہے؟ لیکن نہیں، مجھے خیال ہوتا ہے، کہ تیری خاموش نگاہ نے بھی مجھے پیام محبت دیا ہے، کاش یہ سچ ہو! مگر میں کیا کہہ رہا ہوں؟ یہ سب میرا وہم ہے۔ اُفوہ۔ کس قدر متناقض خیالات دماغ میں چکر کھاتے ہیں۔ کیا یہ جنون ہے؟ ہاں شاید جنون کی وہی قسم ہے، جسے عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب میرے سر میں چکر۔ آ۔ آ۔

[کرسی پر گر پڑتا ہے]

[پردہ گرتا ہے]

ایکٹ سوم

سین (۵)

[یہ اجگہ مین نواب باقر حسین کی کوٹھی کا پائیں باغ]

یوسف (گاتا ہوا آتا ہے)

مدت ہوئی ہے یار سے نزاکت کیے ہوئے   آہ و فغاں سے شور تماشا سے گھبرائے ہوئے

لو، دیکھو آ گیا نہ زباں پر کسی کا نام — مدت سے ہم تھے ضبطِ محبت کیے ہوئے
اگلا سا وہ سکون و متانت کہاں کہ اب — شوریدگی ہے بندۂ منت کیے ہوئے
پھرتا ہے پھر نظر میں کسی کا خرامِ ناز — سامانِ فتنہ ہائے قیامت کیے ہوئے
وہ دل کہ جلوہ گاہِ سرور و نشاط تھا — اب غم ہے اسکو دفنِ حسرت کیے ہوئے
یہ شوقِ دید ہے کہ چلا میں عدو کے گھر — خودداری و غرور سے فرصت کیے ہوئے
پھر دل میں ہے کہ دیکھیے جرأت کا امتحاں — انجام کو حوالۂ قسمت کیے ہوئے
اب دل میں ولولہ بھی نہیں کوئی ہے کہ ہوں — اندازۂ زبونیِ قسمت کیے ہوئے
بیگانہ وار در پہ کسی کے چلا ہوں پھر — سامانِ صد شگفتنِ الفت کیے ہوئے
ناظر کے ہوش و عقل بھلا اب کہاں درست — ہے مست اسکو بادۂ الفت کیے ہوئے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کہ کیا کروں۔ پرسوں جرأت کرکے حسنیٰ کو جو خط میں نے لکھ بھیجا تھا، اُسکا جواب تو خاطر خواہ آ گیا تھا، لیکن دل کو اب بھی تسکین نہیں ہوتی۔ ممکن ہے یہ سب اس نے محض میری تشفی کے لیے لکھ دیا ہو، لیکن نہیں، اُسکی سی معصوم لڑکی سے یہ بدگمانی صحیح نہیں۔ بیشک اُسکی زبان اور اُسکا دل ایک ہے وہ کبھی اپنے جذبات کا غلط اظہار نہیں کریگی۔ اور ایسا کرنے کی اُسے کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اگر وہ میرے پُرارمان دل کو ٹھکرا دینا چاہتی ہے، تو اُسے روک کون سکتا ہے۔ لیکن شاید اُسے میری محبت کی قدر ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں، کہ سچی محبت بے اثر نہیں رہتی۔ ممکن ہے یہ مقولہ صحیح ہو۔ بہرحال اسوقت اسکا فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

اُس نے یہاں . اسی وقت تو آنے کو کہا تھا (گھڑی دیکھ کر) ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔ میں ہی ذرا وقت سے پہلے چلا آیا۔ خیر۔ حسنٰی اگر تو نہیں آئی تو تیرا تصور تو میرے پاس موجود ہے، اُسے مجھ سے کون جدا کر سکتا ہے؟ مگر حسنٰی سے میں آج وقت گفتگو کیا کروں گا؟ اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں، تو اب بھی خاص شادی کا کوئی ارمان نہیں پاتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ حسنٰی سے ایک دائمی یکجائی رہے۔ جس میں کسی کو دخل و تصرف کا اختیار نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے، کہ ایسی مالکانہ یکجائی کا حق بجز شادی کے اور کس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے؟ اور آخر شادی میں مضائقہ ہی کیا ہے؟ حسنِ صورت و حسنِ سیرت کی یہ جامعیت اور کہاں مل سکتی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ میں، اپنے مذاق کے مطابق کوئی بیوی تصنیف بھی کرتا، تو یہی حسنٰی ہوتی۔ لیکن بالفرض خود حسنٰی رضامند بھی ہوگئی، تو کیا اُسکے والدین یہ پسند کرینگے؟ بڑا مسئلہ مشرف کا ہے۔ بچپن کی نسبت، اور وہ بھی کس کے ساتھ؟ حقیقی چچا کے لڑکے کے ساتھ۔ اسے چھڑا دینا کچھ آسان نہیں۔ اور پھر اُسے چھڑا کر میرے ساتھ کس توقع پر کرینگے؟ مشرف جاہل سہی، بدچلن سہی، فاترالعقل سہی، میخوار سہی، لیکن دولتمند تو ہے۔ مگر میں نے تو اس حیثیت سے...... (حسنٰی آتی ہے)

حسنٰی۔ بھائی جان۔ تسلیم عرض کرتی ہوں۔ آپ کس خیال میں محو کھڑے ہیں؟

یوسف (چونک کر) آہا۔ کیا وہ صورت میرے سامنے آگئی، جسکی خیالی تصویر سے میں ابھی باتیں کر رہا تھا۔ میں کس خیال میں محو تھا؟ اسکا جواب میری

زبان سے نہیں، اپنے دل سے مانگو۔ لیکن ہاں یہ بتاؤ۔ تم نے مجھے ابھی بھائی
کے لقب سے کیوں یاد کیا تھا؟

حسنیٰ۔ کیوں کیا آپ میرے بھائی نہیں؟ چاہے کتنی دُور کا رشتہ ہو، مگر ہے
تو آخر بھائی بہن کا رشتہ۔ اور اگر یہ رشتہ نہ ہوتا، تو ذرا یہ سوچیے میں آپ کے
سامنے یہاں اس طرح کھڑی کیونکر ہوتی؟ خدا مجھے اُس دن کے واسطے زندہ
نہ رکھے، جب میں کسی محض اجنبی مرد کے سامنے یوں آزادی سے بے پردہ کھڑی ہوں

یوسف۔ میری عزیز بہن حسنیٰ، بیشک تمھاری رگوں میں شرافت کا اصلی خون ہے
میں اپنے سوال کو واپس لیتا ہوں۔ واقعی ابتک میرے تمھارے، سوا اس کے
اور کوئی رشتہ نہیں۔ لیکن فرض کرو میرا دل کسی
جدید رشتہ کا آرزومند ہو، تو، کیا مجھے اس خواہش میں
کامیابی ہو سکتی ہے؟ [حسنیٰ شرم سے چپ ہے]

یوسف۔ میں اپنے سوال کے جواب کا منتظر ہوں۔ فرصت کم اور خطرات
درپیش۔ مجھے امید ہے کہ عقل و دُور اندیشی، رسمی شرم و حیا سے مغلوب نہ ہوگی۔

حسنیٰ۔ ایسی باتوں کا جواب میں اُس سے زیادہ نہیں دے سکتی، جو اپنے خط میں
لکھ چکی ہوں۔ لاکھ اپنی طبیعت کو مضبوط کرتی ہوں، مگر بے شرمی کی باتوں کے
لیے زبان ہی نہیں کھلتی۔

یوسف۔ یہ تمھاری شریفانہ تربیت کا دوسرا ثبوت ہے۔ لیکن اگر میں بھی اعتقاد

رسمی شرم و حیا کو ملحوظ رکھوں، تو یہ معاملہ قیامت تک نہیں سلجھے گا۔ اسلئے اگر اجازت ہو تو میں ایک آدھ سوال زیادہ صفائی کے ساتھ کروں۔

حسنیٰ ۔ آپ کو اختیار ہے۔

یوسف ۔ اچھا ۔ تو کیا تم کسی ایسی صورت کو دل سے پسند کروگی جس سے میرے تمہارے جائز طور پر دائمی یکجائی کا سامان ہو جائے؟

حسنیٰ ۔ میں اقرار تو کر چکی ہوں کہ آپ کی صحبت کو، آپ کے ساتھ رہنے کو دل سے پسند کرتی ہوں۔

یوسف ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ میرے سوال کے جواب میں "ہاں" یا "نہیں" کہو۔

حسنیٰ ۔ اچھا، آپ ہی کے لفظوں میں "ہاں"۔

یوسف ۔ بس ۔ بس ۔ حسنیٰ ۔ تم نے اس جواب سے گویا تازہ زندگی بخش دی۔ اگر میں تمہارے سامنے زیادہ چرب زبانی سے اظہار شوق نہ کر سکا، تو اسے شوق کی کمی پر محمول نہ کرنا ۔ کوئی جذبہ جب حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے، تو اسکا اظہار الفاظ کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا ۔ ایسے موقع پر شاید سکوت کلام سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، اور خاموشی گفتگو سے بہتر ترجمانِ شوق بن سکتی ہے لیکن "ہاں" ابھی تم نے میرے سوال کے جواب میں "ہاں" کہا تھا، اسے دوبارہ کہو ۔ دردمند دل ہر تازہ اقرار سے تازہ لطف حاصل کرتا ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو، تم جلد اپنے اقرار کو بھول جاؤ۔

حسنی - افسوس ہے کہ آپ مجھ سے ایسی بدگمانی رکھتے ہیں - میں ابھی تو آپ کے سامنے اقرار کر چکی - اور شریف لڑکی اپنے عہد سے کبھی نہیں پھر سکتی ہاں یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی خوشی کے لیے اپنے الفاظ کو بار بار دوہراتی رہوں -

یوسف - نہیں - اب تجدید عہد کی ضرورت نہیں - مجھے اطمینان ہو گیا - مگر ابھی ایک سوال اس سے زیادہ اہم باقی ہے -

حسنی - وہ بھی فرمائیے -

یوسف - وہ یہ کہ تمہارے والدین اس رشتہ کو کہاں تک پسند کریں گے؟

حسنی - ہاں، میاں جان کی طرف سے مجھے بھی ڈر ہے - لیکن اول تو سمجھانے سمجھانے سے وہ خود ہی راضی ہو جائیں گے - دوسرے یہ معاملہ تو اپنی خوشی کا ہے - اس میں والدین کہیں زبردستی کر سکتے ہیں؟

یوسف - لیکن فرض کرو، تمہارے والد راضی نہ ہوئے، اور انھوں نے کسی غیر شخص کے ساتھ نسبت ٹھہرا دی، تب کیا ہوگا؟

حسنی - شریعت نے انتخاب و قبول میں تو ہر مرد و عورت کو آزادی دی ہے - تو جس بات میں خدا کا کوئی گناہ نہیں، اس میں بندوں کے ہنسنے کا کیا ڈر؟

یوسف - آفریں - اے باہمت لڑکی تیری ہمت پر آفریں - میں تجھ کو نازک دل کمزور جسم والی لڑکی سمجھتا تھا - لیکن اب معلوم ہوا کہ اس نازک جسم کے اندر تو شیر کا جگر رکھتی ہے - قابل رشک ہے وہ شوہر جسے ایسی بیوی ملے - مگر معاف

مگر نادر میں کہ [illegible] خود کوشش کر کے تمہیں اچھی مالی حالت سے مستفیض کر دینے کی جرأت کروں جبکہ تم کسی [illegible] میں نہ رہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مشرف کے ذاتی حالات چاہے جیسے ہی ہوں تاہم وہ ایک دولتمند شخص کا لڑکا ہے جو ایک بڑی جائداد کا وارث ہونے والا ہے۔ مگر میں اس کے دیکھتے ہوئے بہت ہی مفلس ہوں۔ میری آمدنی کل اس وقت سو روپے ماہوار کی ہے، اور شاید آئندہ بھی .....

حسنی۔ بس بس۔ اب گفتگو ختم کیجیے۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے، کہ شادی فریقین کی موافقتِ مزاج پر کی جاتی ہے، تجارت کی غرض سے نہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ جس لڑکی میں کچھ بھی شرافت کا اثر ہے، وہ اس مقولہ کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ اگر آپ محبت کی قیمت سونے چاندی کے ٹکڑوں سے دینا چاہتے ہیں، تو میں یقین کروں گی کہ آپ کو محبت کی قدر نہیں، ورنہ آپ محبت کا مفہوم سمجھتے ہیں بلکہ آپ ایک بددیانت دوکاندار ہیں جو [illegible] کی لطیف [illegible] کو دوکانوں کے حوالے کر رہے ہیں

یوسف۔ حسنی! تمہاری تقریر کا ہر جملہ تمہارے دل و دماغ کی اعلیٰ خوبیوں کا سکہ میرے ذہن میں بٹھاتا جاتا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ اپنے جذبات کا اظہار کن لفظوں میں کروں۔ بہرحال اس وقت کی گفتگو نے میرے دماغ کے اوپر سے بڑا بوجھ ہٹا دیا۔ اب جبکہ تم نے خود اپنی زبان سے مجھے اپنا [illegible] کا یقین

دلا دیا تو مجھے زمانہ بھر میں کسی کی مخالفت کی ناخوشی کی پروا نہیں۔ لیکن جان سے عزیز حسنیٰ۔ برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ میرے دل کو اب بھی پورا اطمینان نہیں ہوتا۔ ہر چند اپنی طبیعت کو سمجھاتا ہوں کہ جب تم نے مستحکم عہد کر لیا، تو پھر کیا خوف رہا۔ لیکن اسے کیا کروں، کہ میرا دل اندر ہی اندر کہہ رہا ہے، کہ اس پیمانِ محبت کا انجام نیک ہوتا نظر نہیں آتا۔ عشق کا خاتمہ عموماً ٹریجڈی پر ہوتا ہے۔ کاش ہمارا افسانہ محبت اس کلیہ میں استثنا ثابت ہو۔

حسنیٰ۔ ان وہم پرستیوں کا جواب تو مجھے آتا نہیں .... (آہٹ پاکر) کوئی آتا ہے۔ اچھا، اب رخصت۔ [جاتی ہے۔ نواب کا ایک خدمتگار آتا ہے۔]

خدمتگار۔ کیسے یوسف میاں۔ اسوقت آپ یہاں باغ میں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟

یوسف۔ کچھ نہیں۔ آج کتاب دیکھتے دیکھتے طبیعت اکتا گئی تھی، ذرا ادھر تفریح کے لیے چلا آیا۔ اب جاتا ہوں۔ [جاتا ہے]

خدمتگار۔ ہاں اب کیوں نہ جایئے گا۔ اب تو میں نے آکے آپ کے مزے میں خلل [illegible] ... اچھا ... مجھ سے کہاں چھپتے ہو۔ اسوقت تو میں نے سارا حال [illegible] ابھی جا کر سرکار کو [illegible] کچا چٹھا سناتا ہوں۔

[جاتا ہے]

سین (۲)

[نواب باقر حسین ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں]

باقر حسین (خود بخود) اُوہ۔ یہ عیاری، یہ مکاری، یہ فتنہ پن۔ اور کس سے؟ مجھ سے! مجھ سے، جسکی فرزانگی و تدبر و ڈپلومیسی کا اچھے اچھے انگریز بہادر لوہا مانے ہوئے ہیں۔ حسنی کل کی چھوکری، اور یوسف کل کا لونڈا، جو دیکھنے میں کیسا بھولا بھالا، سیدھا سادھا معلوم ہوتا ہے، یہ دونوں مجھ سے اُڑنا چاہتے ہیں۔ مگر میں نے بھی واللہ وہ چال چلی ہے کہ یوسف کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

[خدمتگار آتا ہے]

. . . .

خدمتگار۔ حضور۔ خدا آباد سے مولوی ہدایت اللہ صاحب رات کی گاڑی سے آئے ہیں۔ سرکار اُس وقت محلسرا میں تشریف لیجا چکے تھے۔ اب وہ سلام کیلئے بیٹھے ہیں

باقر حسین (دل میں) اُف، یہ کہاں سے آپڑے۔ یہ جب آتے ہیں ہمیشہ میری کسی نہ کسی مصلحت کا خون کر جاتے ہیں۔ مگر اب میں بھی انکو خوب سمجھ گیا ہوں، انکے سے ہزار ہدایت اللہ آجائیں تو میرا کیا کر سکتے ہیں (خدمتگار سے) اچھا، بُلا دو۔

[وہ جاتا ہے۔ اور ہدایت اللہ آتے ہیں]

ہدایت اللہ۔ السلام علیکم۔

باقر حسین۔ آداب عرض، جناب۔ (بغلگیر ہوکر) بڑی عنایت کی، جو قدم رنجہ فرمایا یہاں تو وطن کا آدمی دیکھنے کو آنکھیں ترس جاتی ہیں۔ بھائی جان کو بارہا لکھا، کہ

کہ آپ کو کچھ روز کے لیے یہاں بھیج دیں۔ بارے آپ خدا خدا کر کے تشریف لائے۔ وطن میں سب خیریت ہے؟ آپکا مزاج تو اچھا ہے؟ آپ یہاں کب آئے؟ یہ کیا غضب کیا کہ مجھے رات ہی کو جگا نہ دیا۔ مجھے ابھی یہ معلوم ہوا۔ شاید آپ کو خیال ہوا کہ نیند خراب ہوگی؟ آپ اور مجھ سے تکلف! اسکے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

ہدایت اللہ۔ آپ کی مہربانی ہے۔ وطن میں سب لوگ خیریت سے ہیں۔

باقر حسین۔ اور فرمائیے۔ مولانا کیا حال ہے؟

ہدایت اللہ۔ اب تو میں یہاں آیا ہوں، بہرحال دو چار روز قیام کروں گا۔ تب آپ سے مفصل باتیں ہوتی رہینگی۔ اسوقت سب سے پہلے ایک امر خاص میں آپ سے گفتگو کرنی ہے۔

باقر حسین۔ ارشاد فرمائیے۔ یہاں تخلیہ ہے۔ کوئی غیر آنے والا نہیں۔

ہدایت اللہ۔ مجھے اس معاملے میں لب کشائی کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے لیکن جو محبت آپ سے اور آپکے خاندان سے ہے، وہ مجبور کرتی ہے، کہ جو کچھ میرے فہم ناقص میں آتا ہے، آپ کے گوشگذار کردوں۔ عمل کرنا نہ کرنا آپکا فعل ہے۔ لیکن کم از کم میں تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

باقر حسین۔ تو فرمائیے نہ، اس قدر تمہید اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

ہدایت اللہ۔ بات یہ ہے کہ میں جس کمرے میں شب کو سویا تھا، اسکے برآمدہ میں آپ کے خدمتگار آپس میں باتیں کر رہے تھے، اسوقت میں جاگ رہا تھا،

اس لیے انکی آواز میرے کانوں میں آپڑی جس واقعہ کا وہ ذکر کر رہے تھے، اسکے سننے سے مجھے روحی تکلیف ہوئی - آپ پر گو انگریزیت بہت چھائی ہوئی ہے تاہم ضمیر تو مشرقی ہی ہے، اسے آپ کہاں بدل سکتے ہیں - پھر میں ایک غیر شخص ہوں، جب مجھے اتنا رنج ہوا، تو آپ والد ہیں، آپ کو کیسا کچھ صدمہ ہوا ہوگا میں اس واقعہ پر اپنی دلی ہمدردی پیش کرنے کے بعد یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جناب نے اسکا علاج کیا تجویز کیا ہے؟

باقر حسین - آپ بھی مولانا، لونڈوں کی شرارت سے ڈر گئے - جو کچھ ہوا بیشک افسوس کے قابل ہے لیکن اسپر زیادہ اعتنا کرنا اور علاج دِلاج سوچنا ایک فضول حرکت ہے۔

ہدایت اللہ - معاف کیجیے گا - آپنے شاید معاملہ کی اہمیت و نزاکت پر کافی غور نہیں کیا - یوسف کی طبیعت سے آپ خوب واقف ہیں - وہ کیسا مستقل مزاج اور بات کا پکا ہے - جو جی پر لکھ لیتا ہے، کر ہی ڈالتا ہے - اسی طرح حسنی کو بھی آپنے ایسی آزادانہ تعلیم و تربیت دی ہے، کہ اُسکا روکنا بھی آپ لوگوں کے بس کی بات نہیں بس قبل اسکے کہ کوئی فیصلہ کیجیے، ان پہلوؤں پر غور کر لیجیے -

باقر حسین - سب غور کر لیا ہے - ایسی خفیف الحرکتی ہم بھی اپنے بچپن میں بہت دیکھ چکے ہیں اور دیکھ کیا چکے، خود ہی کر چکے ہیں حسنی کی کیا مجال جو میرے حکم میں ذرا بھی دخل دے سکے - رہا یوسف، تو ان صاحبزادے نے ابھی دنیا کی ہوا نہیں کھائی ہے - ایک ہی جھٹکے میں اِنکے کس بل نکل جائیں گے -

ہدایت اللہ - یہ میں آپ کی زبان سے کیا سن رہا ہوں؟ مانا کہ حسنیٰ از راہ سعادتمندی آپ کے حکم سے سرتابی نہ کرے، لیکن کیا شرع نے اُسے اس معاملے میں پوری آزادی نہیں دی ہے؟ کیا قانون نے اس آزادی کو برقرار نہیں رکھا ہے؟ کیا یورپ نے جسکی تقلید میں آپ نے حسنیٰ کو یہ تعلیم دلائی ہے، اس آزادی کو عورت کے لیے نہ صرف جائز بلکہ فرض نہیں قرار دیا ہے؟ پھر آپ کس بنا پر حسنیٰ کو اُس حق سے محروم کر دینا چاہتے ہیں، جو اُسے قانوناً، اخلاقاً، شرعاً، ہر طرح حاصل ہے؟

باقر حسین - یہ لگے آپ منطقیوں کی طرح بحث کرنے۔ آپ کی ساری حجتوں کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ یہ میرا حکم ہے، اور اولاد کو میرا حق ماننا لازم ہے۔

ہدایت اللہ - تو یہ حریت پسندوں کا دعویٰ محض زبانی ہے۔ سوشل ریفارم محض ایک کھلونا ہے۔ روشنخیالی صرف ایک ٹٹی ہے، جسکی آڑ میں ہر شخص کو خود غرضیوں کے برتنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔

باقر حسین - ہو یا نہ ہو۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے طرز سے مشتعل ہو کر کتابی اصولوں کے پیچھے میں دانستہ مصالح کا خون کر دوں۔

ہدایت اللہ آفریں آپ کی ہمت پر۔ آپ نے اصلاح و روشن خیالی کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والوں کے کیرکٹر کے متعلق مجھے بہت ہی اچھا سبق دیا۔ لیکن ہاں، ایک بات یہ تو بتائیے کہ کیا آپ واقعی مشرف کو یوسف سے بہتر شوہر سمجھتے ہیں؟ کیا مشرف کی آوارگی، بد چلنی، کافر مطلقی، میخواری، سب

آپ کے لیے راز ہیں؟ اور کیا اسکے مقابلہ میں یوسف کی شریف الخیالی، علم وفضل، اخلاقی قوت میں سے کوئی شے اسکی سفارش نہیں کر سکتی؟

باقر حسین۔ بس۔ مولوی صاحب، بس۔ میں اس سے زیادہ نہیں سُن سکتا کہاں مشرف میرا حقیقی بھتیجا، خاندانی جائداد کا وارث، اور کہاں یوسف، ایک مفلس کا لڑکا، جسکی آمدنی چند روپے ماہوار سے زائد نہیں۔ خدا کے لیے اب آپ اس پر زیادہ گفتگو نہ کیجیے۔

ہدایت اللہ۔ بہتر ہے۔ آپ کی تعمیلِ ارشاد میں خاموش ہوتا ہوں۔ جو کچھ میرا فرض تھا میں نے ادا کر دیا۔ میں صریح دیکھ رہا ہوں کہ آپ ناعاقبت اندیشی کے غار کی طرف اپنی اولاد کو لیے جا رہے ہیں جو بعد کو آپ کی زندگی کو ہمیشہ تلخ کر دینے کا آلہ ثابت ہو۔ اس پر آپ کو متنبہ کر دینا میرا فرض تھا۔ جو میں نے ادا کر دیا۔

باقر حسین۔ معاف کیجیے ایسے وعظ و پند اور اس غرض سے۔

ہدایت اللہ۔ اکبر الہ آبادی کا ایک شعر میں نے بارہا سنا تھا، مگر اسکے معنی آج روشن ہوئے:

ورجیؔ وس دیکھتے ہیں، نہ نیشنس دیکھتے ہیں
فرنیچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

آج معلوم ہوا کہ اس "وہ" کی ضمیر ہمارے ہندوستان کے والدین کی طرف رجوع

لہ بنیک چلین۔ با اخلاق۔ سنہ بد اخلاق گنہگار۔

ہوتی ہے۔

باقر حسین۔ بہت سُنے ہیں اس طرح کے شعر۔ شاعری کر کے آپ مجھ سے اولاً کی شادی کے سے اہم معاملات میں میری رائے تبدیل کرانا چاہتے ہیں۔ چہ خوش!

ہدایت اللہ۔ اب آپ دفتر کے کام دیکھیے۔ میں پھر کسی وقت حاضر ہونگا۔

[جاتے ہیں]

باقر حسین (خود بخود) بیوقوف، ضدی، جھکی۔ نہ کسی کی مصلحت کا خیال کریں، نہ معاملات کی تہ تک پہونچیں، ہر بات میں دخل دینے کو مستعد۔ پوچھیے آپ سے یہاں آنے کو کس نے کہا تھا؟ فرماتے ہیں مشترف میں فلاں خرابی ہے اور فلاں خرابی ہے۔ گویا مجھے خبر ہی نہیں۔ ارے صاحب ما نا وہ چور ہے، ڈاکو ہے، اُچکّا ہے، پھر اس میں میرا کیا بگڑتا ہے؟ کوئی اسے چاندا دے تو بدیل نہیں کر سکتا۔ جب یہ نہیں تو مجھے اُسکے چال چلن سے کیا بحث؟ خیر، اور تو اور، اپنے ممدوح یوسف کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ پڑھا لکھا ہے، ہمیشہ سچ بولتا ہے، کبھی شراب کو منہ نہیں لگاتا، کبھی رنڈی کے یہاں نہیں گیا۔ ارے صاحب گیا ہو یا نہ گیا ہو ہمیں اس سے کیا سروکار؟ یہ دیکھیے کہ آخر وہ کماتا کیا ہے۔ بہت نیک و پارسا ہے تو جا کر کسی خانقاہ میں بیٹھے۔ کسی مسجد میں بیٹھ کر تسبیح پڑھے۔ میرے یہاں شادی کا کیوں حوصلہ کرتا ہے؟ اخبار میں اُسکی تعریف چھپتی ہے، چھپا کرے۔ دو چار اسکولوں کے میاں جی اُسکے نام پر واہ واہ کرتے ہیں،

کیا فرق پڑا، ہم کو اس سے کیا غرض؟ ہم کو وہ کون خزانہ لا دے گا؟ خیر، دفان کرو اس قصے کو۔ مگر ہاں اس وقت ہدایت اللہ کا روٹھ کر چلا جانا، اچھا نہیں ہوا۔ ممکن ہے یہ خبر یوسف کو پہنچ جائے۔ اچھا، یہ خطرہ ابھی مٹائے دیتا ہوں۔ (گھنٹی بجتی ہے۔ خدمتگار آتا ہے) مولوی ہدایت اللہ کو بلا۔

(آتے ہیں) مولانا معاف فرمایئے گا۔ میں نے آدھ گھنٹہ پیشتر جو کلمات نا شائستہ کہے تھے، انھیں معاف کر دیجیے۔ اسوقت مجھے اشتعال ہو گیا تھا لیکن اب میں اپنی حرکت پر نادم، اور آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔

ہدایت اللہ۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی ملال ہوا ہی نہیں جو میں معاف کروں، البتہ اگر آپ اپنی اصل رائے میں ترمیم کر دیں، تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔

باقر حسین۔ میں نے اسے بھی منظور کر لیا۔ اتنے عرصہ کے غور کے بعد، مجھے آپکی رائے بہت پسند آئی، اور اب میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری پہلی رائے غلط تھی۔

باقر حسین۔ الحمد للہ۔ یہ واقعی آپ نے بڑی خوشخبری سنائی۔ تو اب میں مطمئن ہو جاؤں۔

ہدایت اللہ۔ بالکل، اب انشاءاللہ میں آپ ہی کی رائے پر کاربند ہوں گا۔

[ایک خدمتگار تار لیے ہوئے آتا ہے]

باقر حسین۔ یہ دوسرا تار یوسف کے نام ہے۔ (آدمی اُسے لیگیا) (اپنا تار کھول کے

ہوے) خدا خیر کرے، معلوم نہیں کس کا تار ہے (پڑھ کر) او ہو۔ خلد آباد سے آیا ہے، یوسف کے والد کا ہے۔ لکھا ہے "میں سخت علیل ہوں، معالجین نے جواب دیدیا ہے۔ یوسف کو فوراً بھیجدو"۔ دیکھیے مولوی صاحب کسی کی زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ (یوسف اپنا تار ہاتھ میں لیے ہوے آتا ہے)

بیٹا یوسف، تمہارے تار کا بھی غالباً وہی مضمون ہو، جو میرے تار کا ہے؟ تمھارے والد میرے کس قدر گہرے دوست ہیں، خدا اُنھیں شفا دے۔ ایسے مخلص دوست اس زمانہ میں کہاں ملتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اُنکی حالت دگرگوں ہوئی تو (آبدیدہ ہوکر) میری زندگی ہمیشہ کے لیے بے لطف ہو جائیگی۔

یوسف - میرے تار میں مرض فالج کی تصریح ہے۔

باقر حسین - ضعیفی کا فالج اور جوانی کی تپ! خدا ہی ان امراض سے کسی کو اچھا کرے تو کرے۔ اچھا بیٹا۔ اب تم دیر نہ کرو۔ ٹرین کے وقت میں دو ہی گھنٹے باقی ہیں۔ کیا کہوں، آجکل سرکاری کام ایسے درپیش ہیں، ورنہ میں خود تمھارے ساتھ چلتا۔ تم ابھی لڑکے ہو۔ میں تمھارے والد کو بچپن سے جانتا ہوں۔ ایک بے مثل شخص ہیں۔ انسان کا ہیکل ہیں۔ فرشتہ ہیں فرشتہ۔ بجز دعا کے اور کیا کرسکتا ہوں۔ خدا انھیں جلد خوش و خرم لائے۔ بس بیٹا۔ اب رخصت ہو۔ میری طرف سے اپنے والد کی بہت بہت مزاج پرسی کر دینا۔ خدا حافظ۔ [یوسف آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔ مولوی ہدایت اللہ

[اُٹھ کر جاتے ہیں۔ نواب بھی اندر جاتے ہیں۔ کمرہ خالی دیکھ کر یوسف پھر واپس آتا ہے]

یوسف (خود بخود) حسنیٰ، عزیزہ محبوبہ حسنیٰ! میں دیکھتا ہوں کہ تیری محبت نے مجھے فرض فراموش بنا دیا ہے۔ والد کی یہ حالت، وہ اپنے آخری دیدار کے لیے بلاتے ہیں، مگر میرے قدم نہیں اُٹھتے۔ اُٹھتے ہیں اور اُٹھ اُٹھ کر رُک رُک جاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں نہ جاؤں؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ابھی میرے ہوش و حواس اس قدر درست ہیں، کہ والدین کے سارے حقوق بھول نہیں گیا ہوں۔ خیر۔ جانا تو پڑے ہی گا، لیکن .... (آہٹ پا کر) کون؟ آہا، میری مایۂ تسکین میری سکون خاطر کی دیوی، تو کہاں؟

حسنیٰ (غمگین لہجے میں) ابھی ابھی میاں جان کی زبانی ان منحوس تاروں کا حال معلوم ہوا۔ خیر، جائیے اور اپنے زادِ راہ میں میری دعاؤں کا انبار لیتے جائیے۔ خدا پھر کسی دن، جلد ہنسی خوشی لائے۔ بس زیادہ گفتگو کا موقع نہیں۔ رخصت پیارے .... (جلدی سے اس لفظ کو بدل دیتی ہے) اے غمگین دل کے غمگین دل آرا رخصت۔ [جاتی ہے ایک خدمتگار آتا ہے]

خدمتگار۔ میاں، آپ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں۔ تانگے والا جلدی کر رہا ہے ریل کا وقت جا رہا ہے۔ [دونوں جاتے ہیں]

سین (۳)

[نواب باقر حسین کا پائیں باغ]

حسنی: (خود بخود) تب مشکل میں جان پڑی ہے یوسف کو سدھارے ابھی چند گھنٹے ہوئے ہونگے کہ بہت دل میں اسکی طرف سے کیسے کیسے برے منصوبے آنے لگے دیکھنے میں کیسا بھولا بھالا سچائی کا پتلا معلوم ہوتا تھا، لیکن خوب ہوا جو اسوقت میں میاں جان اور باجی کی باتیں سن لیں - نہیں تو ہمیشہ اسی دھوکے میں پڑی رہتی - میاں جان کو کیا معلوم تھا کہ میں آڑ میں کھڑی ہوں، وہ بالکل اکیلا سمجھکر باجی سے ذکر کر رہے تھے کہ اس یوسف کو سیدھا نہ سمجھنا، یہ بڑا دغا باز ہے - کئی برس ہوئے یہ ایک غریب لڑکی کو ہمیشہ کے لیے خراب کر چکا ہے - اور آجکل بھی کسی عیسائی لڑکی کے پھیر میں ہے - کیا میاں جان کی باتوں پر میں یقین کر لوں؟ شاید اُنھوں نے غلط سنا ہو - مگر میاں جان کے پاس تو اُسکے ہاتھ کے لکھے ہوئے اصلی خط موجود ہیں - اُنہو، وہ بھی کسی نے فرضی بنا لیے ہونگے - لیکن نہیں، میاں جان کیسے دھوکا کھا سکتے ہیں؟ وہ یوسف کا خط خوب پہچانتے ہیں - یا اللہ، میری تو جان حیران ہے - کچھ سمجھ میں نہیں آتا - نہ تو دل سے یوسف کی محبت جاتی ہے، اور نہ اُنکی ان باتوں کا جواب ملتا ہے - (عشرت آتی ہے) آئیے عشرت آپا، آئیے - میں تو آپکا راستہ دیکھ رہی تھی -

عشرت - کیوں، کچھ خیر تو ہے؟

حسنی - نہیں، کوئی ایسا کام تو نہیں ہے - ذرا سی آج طبیعت خود بخود پریشان تھی، اور جی چاہتا تھا، کہ آپ آجائیں، تو کچھ باتیں ہوں -

عشرت ۔ بٹیا، یہ پریشانی تو تم نے خود اپنے ہاتھوں پیدا کی ہے ۔ اس میں کسی دوسرے کی عقل کیا کام دے سکتی ہے؟ اور تم ماشاء اللہ اپنی عقل کے ...... ماشاءاللہ دو مردوں کی عقل کی سب ہو ۔

حسنی ۔ نہیں آپا، یہ تو کوئی اچھی ہی نہیں، اور خاص کر آپ کا کہنا تو شاید میں نے کبھی ٹالا ہی نہیں ۔ مگر آجکل تو اپنی مصیبت میں ہوں جیسے آنے میرے حواس گم تھیا ۔

عشرت ۔ مصیبت ! مصیبت تو کچھ بھی نہیں، ہاں یہ کہو، کہ تمھیں اپنے ہاتھوں مصیبت پیدا کرنے کا شوق ہے ۔ ماں باپ کا حکم نہ مانو، رفیقوں عزیزوں کی بات خاطر میں نہ لاؤ، مدت کی تھمی ہوئی بات کو توڑ کر سارے خاندان کی بدنامی کراؤ ۔ ایک بے جانے پہچانے مرد کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر شیطان کو فرشتہ اور فرشتہ کو شیطان سمجھنے لگو ۔ اور پھر چاہو کہ کوئی پریشانی پاس نہ پھٹکنے پائے ۔ یہ سودا نہیں تو اور کیا ہے ۔

حسنی ۔ آپا، آج سے دو روز پیشتر آپ میرے سامنے یہ باتیں کرتیں تو میں سچ کہتی ہوں کہ سارا ادب لحاظ بالائے طاق رکھ کر آپ کو سخت جواب دیتی، لیکن اب اِدھر جو نئی باتیں معلوم ہوئیں، انھیں سُن سُن کر سوچ میں رہا کرتی ہوں کہ کہیں میری ہی نظر نے تو دھوکا نہیں کھایا ۔

عشرت ۔ اے ابھی کیا؟ ابھی تو دو ہی روز ہوئے اتنا فرق ہو گیا ۔ ماشاءاللہ جوں جوں سمجھ آتی جائیگی، آنکھیں کھلتی جائینگی ۔ مگر تم سے تو کہتے ہ

حسنیٰ۔ پہلے تو میاں جان کو باجی سے یہ کہتے سُنا کہ . . .

عشرت۔ اچھا، وہ حال تو میں کئی بار سن چکی ہوں۔

حسنیٰ۔ پھر آج صبح غفوراں نے اور غدر کی زبانی بیان کیا کہ بعض اُنکے کمبس میں (یا اللہ توبہ۔ میں توبہ کرکے کہتی ہوں کہ) میمیوں کی شکل تو دیکھنے کو نہیں بقول بُوا غفوراں کے، کسی شریف کے کمبس میں ایسی تصویریں کیسے سجتی ہیں جب تک اُس مرد کی طبیعت خود ہی خراب نہ ہو۔

عشرت۔ تم ہی سوچو۔ تم ہی سمجھو۔ میری تو اول دن سے یہی رائے ہے۔ اچھا میری ایک بات کا جواب دو۔

حسنیٰ۔ کہیے۔

عشرت۔ یہ بتاؤ، کہ دُنیا میں کسی طرح کا عیش و آرام بغیر روپے کے ممکن ہے؟ اچھا کھانا کھانے کو، اچھا کپڑا پہننے کو، نوکر چاکر کام کرنے کو، یا تم کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہے تو اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کو، بھلا ان میں سے کوئی چیز، بے روپے کے آدمی کو مل سکتی ہے؟

حسنیٰ۔ اچھا تو۔

عشرت۔ تو یہ کہ تم جو یوسف پر ریجھی ہوئی تھیں، تو مجھے یہ بتاؤ کہ اُسکے پاس کوئی خزانہ، کوئی جائداد، کوئی علاقہ ہے؟ پھر وہ کہاں سے خود کھاتا اور کہاں سے تم کو کھلاتا؟ رہے بھائی مشرف، تو اول تو خدا کے فضل سے اُن میں کوئی

ایسی بُرائی نہیں، اور اگر جیسا دشمنوں نے مشہور کیا ہے، کوئی ایک آدھ بات ایسی ویسی ہوئی بھی، تو یہ نہیں دیکھتیں، کہ سو علاجوں کا ایک علاج اُنکے پاس روپیہ کیسا موجود ہے۔ مانا کہ انکی طبیعت لاابالی ہے، علاقے کا انتظام نہ کریں گے، تمھاری جوتی سے۔ آخر مختار، کارندے، دیوان تو رکھ سکتے ہیں؟ وہ سب دیکھ لیں گے، دستخط یہ کردیں گے۔ پھر، بیماری، کاہلی سب کے ساتھ لگی رہتی ہے، کسی دن تمھارے دشمنوں کا جی ماندہ ہوا، اُسوقت بڑی بڑی فیسیں دے کر حکیم ڈاکٹر بلانا، یہ پیسے والے کا کام ہے یا بے پیسے والے کا؟ بولو، میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ؟

حسنیٰ - ہاں اب تو یہ باتیں کچھ کچھ میری سمجھ میں بھی آنے لگیں۔

عشرت - "کچھ کچھ" اب بھی کچھ کچھ۔ تو پوری کس دن سمجھ میں آئیں گی؟ تمھاری باتوں پر غصہ بھی لگتا ہے، اور ہنسی بھی آتی ہے۔ ہاں دیکھو ایک بات تو میرے خیال سے اُتر ہی گئی تھی۔ نسبت ناتا کرتے وقت اسکا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ لڑکا آپس کا ہے، یا پرایا ہے۔ اپنے گھر کا لڑکا چاہے نالائق ہو، مگر پھر اپنا ہوتا ہے۔ اُس پر چار عزیزوں کا منہ دباؤ ہوتا ہے۔ وہ اگر غیر لڑکا ہوا، تو چاہے جیسا ہو پھر آخر غیر ہی ہے۔ دیکھو نہیں، تو ہمارے اُنکے یہاں کی رسم رسم ہی میں فرق ہوگا، وہ غیریت نہ لحاظ رہ جا سکتی ہے۔ انکی کوئی بات ہمیں ناپسند ہو گی ہمارے یہاں کا کوئی طور طریقہ اُسے ناپسند ہوا تو بیچ میں کوئی کہنے سننے والا

نہیں، کسی کا اُسکے اوپر دباؤ نہیں۔ بتاؤ ایسی حالت میں کیسی مشکل پڑتی ہے؟
تم ابھی بچہ ہو۔ میں تمہارے دیکھتے پھر کچھ دنیا کا تجربہ رکھتی ہوں۔ آخر دو چار
سال تم سے بڑی ہی ہوں۔ پھر اللہ رکھے، پیارے کے باپ کا سابقہ دو برس
سے نباہ رہی ہوں۔

حسنیٰ - ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے .... [نزہت آتی ہے]

نزہت (حسنیٰ کو مخاطب کرکے) مبارک۔ حسنیٰ باجی۔ بیاہ مبارک۔

حسنیٰ - کیا بکتی ہے۔

نزہت - بکتی کیا ہوں، تمھیں مبارکباد دینے آئی ہوں۔ لیکن اللہ۔ باجی ہم
سے اتنا پردہ۔ پرسوں نکاح اور ہمیں آج معلوم ہوا۔

حسنیٰ - یہ چھوکری سچ مچ سڑن ہوگئی ہے۔

عشرت - ہاں نزہت، اسوقت باتیں تم کچھ بہکی بہکی کررہی ہو۔

نزہت - نہیں آپا۔ بہکی بہکی باتیں نہیں۔ ابھی خالو آپا کی زبان سے سُنے چلی
آتی ہوں، کہ پرسوں مشرت بھائی جان کے ساتھ حسنیٰ باجی کا بیاہ ہے۔ بچھے دیکھنے
کی رسم کچھ نہیں ہوگی، بس قاضی صاحب آکر چپ چاپ دو بول پڑھ دیں گے،
پھر دھوم دھام پیچھے کو ہوتی رہے گی۔

حسنیٰ - میں جاگتی ہوں یا خواب دیکھ رہی ہوں۔

عشرت - ہاں یہ بات تو واقعی اچنبھے کی ہے۔ ماموں جان کو ایسی کیا جلدی

پڑی ہے۔ لیکن کہہ نہیں سکتی۔ شاید اس میں اُنکی کوئی مصلحت ہو۔ زمانے کا اونچ نیچ وہ ہم لوگوں سے اچھا جانتے ہیں۔

نزہت - تو آپا چلو نہ۔ خود چل کر ماموں جان سے دریافت کرلو۔

عشرت - ہاں چلو۔ (حسنیٰ سے) تمہارے پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آکر تم سے مفصل حال کہتی ہوں۔ [عشرت و نزہت جاتی ہیں]

حسنیٰ - یا اللہ رحم، میری حالت پر رحم۔ پندرہ برسوں تک میں کیا تھی، اور آج کیا ہوگئی ہوں۔ کہاں یوسف۔ وہ عہد و پیمان، اور کہاں آج میاں جان کے پسند کیے ہوئے گھر میں جانے کا ساز و سامان! یوسف، تو مجھے بیوفا و بدعہد تو نہ کہے گا؟ لیکن نہیں، اصل الزام میرے اوپر نہیں، تیرے اوپر ہے۔ تونے خود ہی تو مجھے بیوفائی و بدعہدی کا سبق دیا۔ پھر اگر وہی داؤں میں تیری ساتھ چلی، تو کیا گناہ ہو سکتا ہے؟ پروردگار، اس معاملہ کا انصاف تیرے ہاتھ ہے۔ میں بیچاری دنیا کی چالوں سے ناواقف ہوں..... [عشرت و نزہت آتی ہیں]

عشرت - میں جاکر تحقیق کر آئی۔ وہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ شاید تمہارا راجہ صاحب اسی ہفتہ میں ماموں جان کو کسی بڑے ضروری سرکاری کام پر ولایت بھیجیں۔ اس واسطے ماموں جان چاہتے ہیں کہ تمہارے فرض سے ادا ہو جائیں۔ دھوم دھام بعد کو ہوتی رہیگی۔ مشرف بھائی تو یہاں موجود ہی ہیں، انکے والد سے بھی انھوں نے تار پر اجازت منگالی ہے۔ ولایت کا جانا کچھ منہ کا نوالہ

تو ہے نہیں۔ ڈیڑھ دو مہینے تو آنے ہی جانے میں لگ جاتے ہیں۔ اور جس کام کے لیے جاتے ہیں وہ بھی جلدی کا نہیں۔ اسکے طے کرنے میں چھ مہینے لگیں سال بھر لگ جائے۔ اتنے بیچ میں نہ معلوم یہاں دشمن کیا فساد کھڑا کر دیں۔ انھیں سب مصلحتوں کو سوچ کر ماموں جان تمھاری طرف سے اطمینان کر لینا چاہتے ہیں ۔۔ ہاں مہاراجہ صاحب اُنکے اس سفر کو راز رکھنا چاہتے ہیں۔ اسواسطے ماموں جان اپنے اس ارادہ کو ہر ایک پر ظاہر بھی نہیں کر سکتے۔ خیر، نیک کام میں جتنی جلدی ہو، بہتر ہے۔ خدا مبارک کرے۔ اب چلو اپنی باجی کے پاس، وہ تمھیں بلاتی ہیں۔ تم چلو۔ ہم لوگ بھی آتے ہیں۔ [حُسنی گئی]

عشرت ۔ میں کہتی ہوں ماموجان کے برابر دنیا میں عقل کسی کو نہ ہوگی۔ ہم لوگ ڈرتے تھے کہ دیکھا چاہیے حُسنی کا بیاہ کہاں اور کیسے ہوتا ہے۔ لیکن ماموں جان نے کیسی عقلمندی سے سارا انتظام کر لیا۔

نزہت ۔ چھ یہی اچھا ہے، کہ آجکل یوسف میاں یہاں نہیں ہیں۔ نہیں شاید کوئی اور خرابی پڑتی۔

عشرت ۔ ہاں یہ کہو خدا کو اس خاندان پر فضل کرنا تھا، جو سارا معاملہ اس طرح طے ہو گیا۔

نزہت ۔ کل میں نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ میں نے سنا ہے یوسف کے مذہب کا کچھ ٹھیک نہیں وہ خدا رسول کو نہیں مانتے کہتے ہیں ہر چیز قدرت سے پیدا

ہوئی ہے۔ اچھے کے ساتھ تو نکاح درست نہیں تو بتاؤ حُسنی باجی تم کیا کروگی؟ یہ سنکر سوچ میں آگئیں۔ [دونوں گئیں]

سین (۴)

[حُسنی تنہا، اپنے کمرے میں ہے۔ تبدیل لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی ہو چکی]

حُسنی (خود بخود) یا الٰہی، کیا میری بد نصیبیاں کبھی ختم نہ ہونگی؟ کیا میری مصیبتوں کا تار کبھی نہ ٹوٹے گا؟ میں تو سمجھتی تھی، کہ اب ایک کی ہو کے بیٹھوں گی پریشانیوں سے نجات ملیگی، لیکن میں دیکھتی ہوں تو پریشانیاں چوگنی بڑھ گئی ہیں۔ ابھی شادی ہوئے پورے چار دن بھی نہیں ہوئے، کہ یہ بے پروائی شروع ہوگئی۔ کل صبح سے غائب ہیں، آج شام ہوا چاہتی ہے، ابھی تک پتہ نہیں۔ گھر میں اپنے جانے کی کسی کو اطلاع تک نہیں دی۔ یہ آخر ماجرا کیا ہے۔ عجب اسرار ہے۔ لاؤ اس میز کے ڈرائرز میں دیکھوں، شاید کوئی خط چھوڑ گئے ہوں۔ اور سب جگہ تو ڈھونڈھ چکی ہوں، (ڈرائرز میں تلاش کرتی ہے) یہاں خط وط تو کوئی نہیں۔ مگر ہاں، یہ رجسٹری کیسی ہے۔ اسے پڑھتی ہوں۔ اوہو، یہ تو کسی دوکاندار نے نوٹس دیا ہے کہ "میرے قرضے کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہونچ گئی ہے۔ ایک ہفتے کے اندر بیباق کردو، ورنہ مقدمہ دائر کرتا ہوں"۔ اور یہ نوٹس ہے کس کا؟ اِکن وال اینڈ کمپنی تاجرانِ شراب وجنرل مرچنٹ کا۔ ساٹھ ہزار! غضب خدا کا، نہ دو ہزار نہ چار ہزار! اور وہ بھی صرف ایک دوکاندار کے ہیں۔ معلوم نہیں

دوسروں کا کتنا حساب ہو۔ گھر کی جائداد ہزار ڈیڑھ ہزار رہ گئی، اور قرضہ
کی یہ حالت! گھر کی ساری جائداد بھی اگر اسے نیلام پر چڑھا دی جائے تب
شاید یہ قرضہ ادا ہو۔ اور پھر یہ قرض بھی دو ایک کا نہیں۔ ... تیس تو بیٹا ابھی
دچچا جان اپنے پاس سے چکا چکے ہیں، لیکن اتنی بڑی رقم تو انکے بس کی بھی
نہیں۔ پھر آخر کیا ہوگا؟ نالش ہوگی۔ ڈگری ہوگی۔ گھر کی قرقی ہوگی۔ جائداد نیلام
پر چڑھے گی۔ اور ساری دنیا میں بدنامی و رسوائی جو ہوگی وہ الگ۔ یا اللہ
تو ہی اس مشکل کو آسان کر۔ تیرے ہی ہاتھ میں اس گھر کی آبرو ہے (روتی ہے)۔
آخر یہ کل صبح سے کہاں غائب ہیں۔ شاید کہیں اسی روپے کی فکر میں گئے ہوں،
مگر توبہ، انھیں سمجھ کہاں! یا شاید کہیں بدنامی کے ڈر سے چھپ گئے ہوں، مگر
یہ دل، اندر سے کیوں اتنی زور زور سے دھڑک رہا ہے؟ کیا کوئی خاص
حادثہ پیش آنے والا ہے؟ (عشرت دوڑی ہوئی آتی ہے)

حسنی۔ کیوں آپا، خیر تو ہے؟

عشرت۔ نہیں .... ہاں .... مگر زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں خدا
چاہے گا، انجام اچھا ہوگا۔

حسنی (بیحد گھبرا کر) کچھ کہو تو کیا ہوا؟

عشرت۔ تم اس سرکاری چٹھی کو پڑھ لو۔ اس میں مسرت بھائی کا کچھ
حال لکھا ہے۔

حسنی (نہایت پریشان لہجہ میں) میں اس وقت پاگل ہو رہی ہوں۔ مجھ سے کچھ پڑھا وڑھا نہیں جائیگا۔ تم ہی خدا کے لیے جلدی کچھ حال بیان کرو۔

عشرت (روتی ہوئی) سکندر آباد کے کلکٹر (کلکٹر) کی چٹھی ماموں جان کے نام ہے۔ کمبخت کو خدا غارت کرے، لکھتا ہے کہ "کل ایک نووارد شخص جو بظاہر فاترالعقل معلوم ہوتا ہے، مع اپنے ملازمین کے یہاں ایک طوائف کے مکان پر پہونچا، جہاں ایک شخص پہلے سے موجود تھا۔ نووارد نے اُس سے سخت کلامی کی، جسکا اُس نے بھی جواب دیا۔ شور وغل کو سنکر ایک کانسٹبل نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا، مگر نووارد نے اُسپر ریوالور فیر کر دیا، جس سے وہ فوراً مر گیا۔ فیر کی آواز سنکر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ جنھوں نے مل کر نووارد کو بہت مارا۔ اب وہ سخت زخمی ہو کر پولیس اسپتال میں ہے۔ اسپر لوٹ، قتل عمد، وغیرہ کے کئی مقدمے چلائے جائینگے۔ یہ شخص اپنا نام مشرف بیان کرتا ہے، اور اپنے تئیں وزیر رامگڈھ کا عزیز بتاتا ہے۔ امید کہ آپ اسکی شخصیت پر روشنی ڈالینگے۔ اسکے ہمراہی مفرور ہو گئے ہیں۔"

حسنی۔ بہن عشرت، تم نے دوست ہو کر میری قسمت پھوڑ دی۔ میں تو شروع ہی سے ..... (غش کھا کر گر پڑتی ہے۔ عشرت چند خواصوں کی مدد سے اُٹھا لے جاتی ہے)

سین (۵)

[حسنی اپنی خوابگاہ میں بیہوش خواب دیکھ رہی ہے]

"یوسف، مظلوم یوسف۔ میرے پیارے تیری گنہگار [illegible]۔ تو [illegible]

میں نے دشمنوں کے کہنے میں آکر تجھ سے بیوفائی کی۔ تو نے میرے آگے محبت کا تحفہ پیش کیا، لیکن مجھ بدنصیبوں بھی نے اُسے بدعہدی کی ٹھوکروں سے پامال کر دیا۔ یہ قصور میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا، لیکن آخر کیا تو۔ میں ہر طرح تیری گنہگار ہوں، تو جو چاہے مجھے سزا دے۔ کیا تو مجھے قتل کر ڈالے گا؟ ہاں یہ تلوار لے، تو میرے اوپر کیوں جھپٹتا ہے؟ کیا؟ وہ تو مجھے جان سے مار ڈالے گا؟ ہائے تو کس بیدردی سے ڈراتا ہے وہ تو [illegible] کہ تم نے میرے ارمان بھرے دل کا خون کیا ہے۔ کیوں اس میں اپنی شمشیر تیز سے گنہگار خون سے رنگوں؟" اچھا، یوسف، میری جان لیتا ہے تو لے۔ لیکن میاں جان پر کیوں وار کرتا ہے؟ کیا ایک جرم کی دو دو آدمیوں کو سزا دیگا؟ میاں جان آپ ہٹ جائیے میں کہتی ہوں آپ ہٹ جائیے۔ ارے کوئی بچاؤ [illegible] دوڑو"

(گھبرا کر سانس لیتی) آہ! تو وہ ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ دل ابھی تک کانپ رہا ہے۔ خدا خیر کرے۔ دیکھوں اس کی تعبیر کیا نکلتی ہے؟ میرے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔ (یوسف دفعتہً داخل ہوتا ہے) ارے یوسف تم کہاں!

یوسف — (نظریں بلند کر کے) شریف لڑکی، اپنا عہد پورا کر

(شریفہ لاجواب و حیران سر نیچے جھکا لیتی ہے)

یوسف — شریف لڑکی اپنا عہد پورا کر۔

شریفہ — آپ یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟

یوسف - اپنی جان دینے اور عہد شکن کی جان لینے۔

حسنیٰ - لیکن میں پہلے اپنی سرگذشت تو سنا لوں۔

یوسف - اب گفتگو کی گنجائش نہیں - فرصتوں کا زمانہ، گفت و شنود کا وقت ختم ہو گیا، مہلتوں کا خاتمہ ہے، اور فرشتگانِ اجل کو اپنے کام کی جلدی۔

حسنیٰ - (گھٹنوں کے بل جھک کر) تو لے، یہ سر حاضر ہے۔ اس پر فیر کر۔ خودکشی پھر بھی حرام موت تھی - قتل ہو جانا اس سے ہزار درجے بہتر ہے۔

یوسف - نہیں نہیں - حسنیٰ، جسے ایک زمانے میں میں عزیز و محبوب کے لقب سے یاد کرتا تھا - اپنا سر اٹھا - یہ ہاتھ جس سے ایک مرتبہ پیمانِ محبت باندھ چکا ہے اس پر کبھی نہیں اٹھ سکتا - یہ ریوالور میری اور صرف میری جان لینے کے لیے ہے

حسنیٰ - نہیں یوسف تو خدا کے لیے مجھے زندہ نہ چھوڑ۔ قتل ہونا، اور تیرے ہاتھ سے قتل ہونا، شاید یہی میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے - کاش مجھے دنیا ہی میں سزا مل جائے، کہ آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں۔

یوسف - تیری پشیمانی دیکھ کر تیری طرف سے میرا دل صاف ہو گیا۔ میں گہری سازش کا شکار ہوا ہوں۔ پیشتر میرا خیال تھا کہ اس میں تیرا ہاتھ بھی شریک ہے، لیکن تیری پشیمانی نے یہ شبہ میرے دل سے نکال دیا۔ اب یہ ہاتھ قیامت تک تجھ پر نہیں اٹھ سکتا۔ اور یہ ریوالور جس کا نشانہ تیرا سینہ تھا، اور ابھی تیرہ ہو گا لیکن تیرے سینے کے بجائے میرے سینے پر - وداعِ حسرت و ناکامی اٹھاتا، اور اب وفا

کا حصہ ہے، اہلِ جفا کا نہیں۔ ٹریجڈی کیلیے موزوں سین عشق کا میدان ہی ہے۔ حُسن کی فضا نہیں حسنی، اس نکتہ کو یاد رکھو۔ اسپر خود عمل کر، اور مجھے کرنے دے۔ خود زندہ رہ، اور مجھے مرنے دے۔ ہم دونوں اہلِ بصیرت کے لیے عبرت کا بہت بڑا مواد چھوڑتے ہیں، لیکن تو اپنی زندگی سے اور میں اپنی موت سے۔ اے اہلِ دنیا، اگر تم آیندہ کبھی عشق کی مظلومیت "ناکامی و حسرت آگینی" پر نوحہ کرنا، تو قسم ہے تمھیں اپنے درد کی، کہ اُسکے ساتھ حسن کی سادگی، بے بسی اور زود پشیمانی کو نہ بھول جانا۔ اچھا حسنی، رخصت! دیکھ میرے بعد دنیا کو میرا یہ پیام پہونچا دینا۔

[گاتا ہے]

حقیقت حسن ہے خود اپنے پہ نازاں ہونا — نازشِ زخمِ جگر، رہنِ نمکداں ہونا
عاشقی کیا ہے، بجز کشمکشِ عقل و جنوں — دل کو آفت میں پھنسا آپ ہی حیراں ہونا
زندگی اصل میں ہے اک قفسِ طائرِ روح — موت کیا ہے اسی زنداں سے گریزاں ہونا
نامرادی مری ہمزاد تھی تو کیوں یا رب — میری قسمت میں لکھا صاحبِ ارماں ہونا
ہم شہیدانِ وفا موت کے خود ہیں مشتاق — کفر راہِ محبت میں ہے صاحبِ ارماں ہونا
اے اجل اس سے تیری ہی دمِ پاسِ الم — تجھے زیبا نہیں انساں کو ہراساں ہونا
رازِ ہستی وہ گرہ ہے، جو کبھی کھل نہ سکی — فلسفی کے لیے آخر ہے پشیماں ہونا
اس جفاکار سے اب کی بھی تلافی تو کیا — اب مقدر میں تو ہے قبر کا مہماں ہونا
میرے [illegible] ہے دنیا کو اک عبرت کا سبق — دوستو، تم نہ کبھی عشق میں غلطاں ہونا

سب کو آخر ہے فنا حسن ہو یا عشق و وفا　　اہل ہستی کبھی ہستی پہ نہ نازاں ہوتا
لذت درد کے منکر کو سنا دو یہ شعر　　(تا آخر آساں نہیں غالب سا سخنداں ہوتا)

"کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

حسنی، تو میرے لیے زیادہ رنج نہ کر۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ خارِ انفعال کی خلش سے تیرے جسم کا رواں رواں چھلنی ہو رہا ہے۔ تو اتنی نادم نہ ہو، اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تو شاید یہ سمجھ رہی ہے، کہ تو نے میری خطا کی ہے، اور اس لیے میرے سامنے اپنی خطاؤں پر اس قدر متاسف ہے۔ لیکن اگر تو خطاوار ہے تو کیا میں معصوم ہوں؟ ہرگز نہیں۔ ہم دونوں قصوروار ہیں، اور برابر درجے کے۔ بلکہ شاید میرا جرم تیرے جرم سے زیادہ سنگین ہے۔ لیکن کس کے مجرم ہیں؟ شریعت کے نہیں، نواب باقر حسین کے نہیں، بلکہ اُس قوت کے جسکے اشارے پر نظامِ عالم چل رہا ہے۔ فطرت چاہے اور سب گناہوں کو معاف کر دے، لیکن بغاوت کو کبھی نہیں معاف کرتی۔ اسکا وہ ہمیشہ سخت سے سخت انتقام لیتی ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے فطرت سے بغاوت کی ہے۔ جس آئین پر نظامِ کائنات چل رہا تھا اسمیں میں نے رخنہ ڈالنا چاہا۔ جس اسلوب پر عالم کی اسکیم جاری تھی اسمیں میں نے خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ افسوس! آج اسی جرم کی پاداش میں مجھے اپنی جان نذر کرنی پڑتی ہے۔ ہاں بیشک میں نے وہی جرم کیا جسکے مجرم قیس، فرہاد، رومیو ہوئے ہیں

اور مجھے سزا بھی وہی ملی، جو انہیں ملی تھی۔ اس جرم کے ارتکاب کی، اگر نہیں تو کم از کم اسکی اعانت کی حسنیٰ تم بھی مجرم ہو۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ انتقام گیر فطرت کی تعزیر سے تم بھی نہیں بچ سکتیں۔ رومیو نے اگر جان دی تو جولیٹ کب زندہ رہیگی؟ آہ حسنیٰ! تو نے استغفار کیا مگر کب؟ جب دریچہ توبہ بند ہو چکا تھا۔ عید آئی، مگر کس وقت؟ جس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ علمی دنیا میں انکشافات کی حوصلہ مندیو رخصت۔ دنیاوی نام و نمود کی تمناؤ رخصت۔ کسے خبر تھی کہ تمہارا اسقدر جلد پرحسرت خاتمہ ہوگا۔ رخصت اے نیک نیت ماں! دلسا لڑکی، رخصت۔ میں نے تجھے دل سے معاف کیا، اور اگر کوئی دعاؤں کی سننے والی ہستی ہے، تو اس سے دعا ہے کہ وہ بھی تجھے معاف کرے۔ لیکن میری تقریر کا یہ آخری جملہ یاد رکھ، جو لوگ میری اور تیری بربادی کا باعث ہوئے ہیں آج سے انکے نصیب میں ایک گھڑی کی بھی خوشی نہیں۔ بلکہ کیا عجب کہ ملامت ضمیر انکی زندگی کو اب چند گھنٹوں سے آگے نہ بڑھنے دے۔ مرنے والے کے بول میں قیامت کی سچائی ہوتی ہے۔

[ریوالور اپنے سینہ پر فیر کرتا ہے۔ حسنیٰ جو اسوقت تک مبہوت کھڑی تھی دوڑ کر بچانا چاہتی ہے مگر گولی اپنا کام کر چکی ہے، اور یوسف حسنیٰ کے قدموں پر گر کر جان دیتا ہے]

حسنیٰ (نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ جیب سے ایک پڑیا نکالتی ہوئی) خیر کچھ ہرج نہیں، چند منٹ آگے پیچھے میں کچھ ہرج نہیں۔ ہائے یہ وہ زہر تھا، جو اسواسطے خرید لیا گیا تھا، کہ اگر میاں جان نے شرف کے واسطے زبردستی کی تو ایجاب و قبول کے وقت اسے کھا کر ہمیشہ کے لیے اپنی زبان بند کر لونگی۔ کیا خبر تھی کہ آج اس سے یہ کام لیا جائیگا۔ وفادار

یوسف مذارا، صرف چند منٹ کے لیے داورِ محشر کے سامنے میری بدنامیوں کے شکوے خاموش رہ ہیں ابھی آ کر تجھے بتاتی ہوں، کہ تو نے بھی میری وفاداری کو مشکوک سمجھنے میں جلدی کی۔

[باقر حسین آتے ہیں]

باقر حسین (بہت ہی گھبرائے ہوئے) حسنیٰ! یہ تیری آواز کہاں سے آئی؟ ارے یہ کیا یوسف کی لاش ہے؟ کیا اُس نے خودکشی کر لی!

حسنیٰ - جی ہاں، اور میں بھی آپ سے رخصت ہوتی ہوں - میاں جان میری خطا قصور معاف کیجیے اور راجی سے میری طرف سے ہاتھ جوڑ کے کہہ دیجیے گا، کہ وہ بھی معاف کریں، جو زہر میں نے کھایا ہے وہ شاید اب ایک دو منٹ سے زیادہ مہلت نہ دے۔

باقر حسین (بجد گھبرا کر) ہائیں یہ کیا غضب ہے! کیا قہرِ الٰہی ہے۔ ارے کوئی حکیم مسیح الملک کو فوراً ..... [ایک خدمتگار تار ہاتھ میں لیے داخل ہوتا ہے]

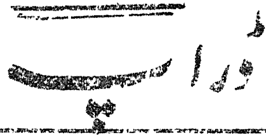
ارے پھینکو اس تار کو، فوراً حکیم مسیح الملک کو اپنے ہمراہ لاؤ - ہائے کیا غضب ہو گیا! کیسا تار؟ اُس جوابی تار کا جواب تو نہیں جو دوپہر کو سکندر نواب کو بھیجا تھا (تار کھول کر پڑھتا ہے) اُف اُف - میں مر گیا - ہائے میرا لختِ جگر مشرف، اور پھانسی!

حسنیٰ - میاں جان، ایک وصیت، ایک آخری التجا، مجھے یوسف کے ساتھ ایک قبر میں ..... اب کلمہ پڑھیے [یوسف کی لاش پر گر کے جان دیتی ہے]

باقر حسین - یا الٰہی رحم - یا الٰہی تیرا قہر دیکھ لیا - اکلوتی جوان لڑکی یوں مر کے جان دے، اور میں زندہ رہوں - نا ممکن - نا ممکن - جیسے وہ اسے سارے جوڑ .....

سے چلے، وہی ہوں وغارت ہو جائے۔ غلط آیا درسے یوسف کے نام جعلی تار بھجوایا،
تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور میری کاروائیوں کے لیے میدان صاف ہو جائے۔
بھولی سی نجی، اپنی بھولی حسنی کو طرح طرح کے فریب دیئے، اُسے سنا سنا کر اُسکی والدہ سے
خوب جی بھر کے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یوسف پر اتہامات لگائے۔ بہت سے بے بنیاد
قصے اسکے متعلق نوکروں چاکروں کی زبان سے مشہور کرائے۔ مطلب یہ تھا کہ حسنی کا دل
یوسف کی طرف سے پھر جائے۔ ہائے میں کیا کمبخت تھا۔ اپنی اولاد کو ایسے فریب دیے
کہ وہ بیچاری آخر میرے فریب میں آگئی۔ تب اکبارگی میں نے ولایت جانے کا بہانہ کر کے
اسکی شادی عشرت کے ساتھ کردی۔ آہ میری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے۔ یوسف
کیسا نیک، لائق، سعید لڑکا تھا، مگر دولت کی ہوس نے مجھے اندھا کر دیا۔ اُف! اُف!
میں اس قدر گنہگار ہوں۔ میں مرنے کو تو مر رہا ہوں، لیکن موت کے بعد کیا حشر ہوگا۔ کیا
مجھ جیسے ظالم کو خدا معاف کریگا؟ لیکن نہیں، مجھے ضرور مرنا چاہیے۔ شاید
میرے نصیب ۔۔۔ دنیا میں ایک بہتر مثال قائم ہو جائے، اور وہ بہاؤالدین
میرے حال سے عبرت پکڑ کے تو دوسروں کی جان پر رحم کرنا سیکھیں۔ یہ سامنے سے مولوی
بہاؤالدین آرہے ہیں ۔۔۔ پڑھنے جم ۔۔۔ گیا
اچھا تو ۔۔۔ یوسف کے ۔۔۔ کی ایک ۔۔۔ بھی تو ہے۔

(پھر آئیگا جبے)



تصانیف مولوی عبدالماجد بی اے

فلسفۂ جذبات - جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح پر اردو میں پہلی کتاب - قیمت عہ/

مکالمات برکلے - برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ - جس میں مکالمہ کی صورت میں مادیت کا ابطال کیا گیا ہے - قیمت عہ/

تاریخ اخلاق یورپ - پروفیسر لکی کی بیش بہا کتاب کا ترجمہ جو اٹھارویں صدی اور اسکے قبل کی معاشرت، مذہب و اخلاق کے معلومات کا حیرت انگیز ذخیرہ ہے قیمت سے

پیام امن - موسیو رچرڈ پال فرانسیسی کے خیالات دربارۂ امن عالم، اخوت انسانی و خوں آشامی دول یورپ کی ترجمانی ہے، اسکے بعد مترجم کا قابل قدر تبصرہ ہے جس میں انھیں مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات کی تفصیل ہے - قیمت عہ/

تصوف اسلام - یعنی اسلامی تصوف کا عطر اکابر صوفیہ کی تصانیف سے - قیمت عہ

مثنوی بحر المحبت - شیخ مصحفی کی نایاب مثنوی مع سوانح عمری و حواشی وغیرہ - قیمت ۱۲

فلسفیانہ مضامین - اردو داں طبقے کو فلسفۂ جدید سے روشناس کرنے کے لیے یہ قابل قدر مضامین وقتاً فوقتاً رسالہ الناظر میں شایع ہوئے تھے - مجموعہ کے آخر میں فلسفیوں کی مختصر سوانح عمریاں اور اصطلاحات فلسفہ کی فرہنگ دی گئی ہے - قیمت عہ

غذائے انسانی - مصنف کا ایک بالکل ابتدائی مضمون - قیمت ۳/

ملنے کا پتہ :- **الناظر بک ایجنسی - لکھنؤ**